مولانا محمد الیاسؒ

ملفوظات

مرتبہ

مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر الفرقان

مکتبۂ دینیات
بیرون تبلیغی مرکز رائے ونڈ ضلع لاہور فون ۶۲

ملفوظات

حضرت مولانا محمد الیاس رح

مُرتبہ

مُحمّد منظور نعمانی

مدیر "الفُرقان"

ناشر

مکتبۂ دینیات (بیرون تبلیغی مرکز) رائے ونڈ، لاہور فون ۶۲

قیمت :

دیباچہ

ملفوظات کا مرتِّب

صاحبِ ملفوظات کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نام تو غالباً میں نے اپنی طالب علمی کے زمانہ ہی سے سنا تھا، لیکن آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق جہانتک یاد پڑتا ہے پہلی دفعہ شاید رمضان ۵۳ھ میں ہوا۔ اس کے بعد چار پانچ سال تک بغیر قصد و طلب کے محض اتفاقی طور پر غالباً کئی دفعہ زیارت و ملاقات کی نوبت آئی، لیکن ان سرسری اور اتفاقی ملاقاتوں میں میں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکا کہ مولینا ایک مخلص عالمِ دین ہیں، پرانے طرز کے سیدھے اور نیک بزرگوں کا نمونہ ہیں اور زمانہ کے تقاضوں اور اہم وقتی دینی ضرورتوں سے واقف نہ ہونیکے باوجود مسلمانوں کی دینی اصلاح کا صادق جذبہ اور سچی تڑپ اپنے اندر رکھتے ہیں —— بہرحال ان ملاقاتوں میں نہ میں مولانا کی شخصیت سے متاثر ہوا، اور نہ میں نے انکی دینی دعوت و تحریک کی کوئی خاص اہمیت سمجھی۔ یہانتک کہ غالباً ۵۸ھ میں دین کے وقتی تقاضوں کو خوب سمجھنے والے ایک بڑے روشن دماغ اور صاحبِ قلم عالمِ دین نے خود مولانا سے ملاقات کر کے اور انکی دعوت و تحریک کے خاص حلقۂ عمل میوات جا کر تحریک کی عملی صورت اور اس کے اثرات و نتائج کو خود دیکھ کے اپنی رائے اور اپنے تاثرات ایک مضمون میں لکھے —— جہانتک یاد پڑتا ہے کم از کم راقم سطور کی نظر میں تو اس تحریک کی اہمیت سب سے پہلے اسی مضمون سے پیدا ہوئی۔

اس کے کچھ دنوں بعد (ذیقعدہ ۵۸ھ میں) مولانا کی زیارت اور انکی تبلیغی جد و جہد سے براہ راست اور تفصیلی واقفیت حاصل کرنے ہی کی نیت سے دہلی کا ایک سفر رفیقِ محترم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی اور ایکدوسرے دینی دوست مولوی عبدالواحد صاحب ایم، اے کی معیت میں کیا — لیکن اتفاق کی بات کہ دہلی پہنچتے ہی میرے مکان سے فوری طلبی کا تار ملا، اور میں ان دونوں رفیقوں کو چھوڑ کر مولانا سے ملے بغیر ہی واپس ہو گیا میرے دونوں رفیقوں نے اسی سفر میں مولانا سے پہلی اور تفصیلی ملاقات بھی کی، اور میوات جاکر ان کے تبلیغی کام کے طرز اور اس کے اثرات و نتائج کا بھی مُطالعہ کیا۔

مولانا سید ابوالحسن علی اپنی فطری سعادت اور دینی شخصیتوں سے خاص طبعی مناسبت کی وجہ سے اس پہلی ہی ملاقات میں مولانا کی شخصیت اور انکے تبلیغی کام سے بہت زیادہ متاثر ہو کر واپس ہوئے، اور اپنے خطوط کے ذریعہ مجھے بھی متاثر اور مولانا کی طرف متوجہ کرنے کی انھوں نے کوشش کی، لیکن چونکہ میں مولانا کو کئی بار دیکھ چکا تھا اور متعدد ملاقاتوں میں انکی باتیں بھی سُن چکا تھا اور اپنی کم نگاہی کی وجہ سے کچھ زیادہ متاثر نہیں ہو سکا تھا اس لیے مولانا علی کے ان خطوط کا بھی مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ مولانا کی دینی دعوت سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنیکا جو داعیہ اور اشتیاق پہلے ہی پیدا ہو چکا تھا مولانا علی کے ان خطوط سے اس میں کچھ اضافہ ہو گیا۔

کچھ دنوں بعد میوات کے علاقہ میں ایک بہت بڑے تبلیغی اجتماع کی تجویز ہوئی مجھے بھی طلب فرمایا گیا، اور میں اپنے ذاتی شوق سے شریک ہوا مجھے اعتراف ہے کہ اس سفر کی مختلف صحبتوں میں مولانا کی باتیں سننے اور میواتی قوم میں وسیع پیمانہ پر غیر معمولی دینی تغیر کے اثرات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی وجہ سے مولانا کی شخصیت اور انکی تبلیغی تحریک کو میں پہلے سے زیادہ وقیع سمجھنے لگا لیکن پھر بھی میں اتنا متاثر نہیں ہوا کہ اپنے کو اس کام سے متعلق کرنے کا فیصلہ کر لیتا۔

آگے کی سرگزشت سُنانے سے پہلے اپنا ایک خاص حال سنا دینا یہاں ضروری ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جیسے مشائخ اور ائمہ سلوک و تصوف سے اگرچہ مجھے بڑی گہری عقیدت تھی اور اسلامی ہند کی یہ چند شخصیتیں میرے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھیں لیکن نفس تصوّف کی طرف سے مجھے اطمینان نہ تھا، بلکہ طبیعت کو اس سے ایک درجہ کا توحش تھا، اور ذہن میں اس پر کچھ علمی اشکالات بھی تھے ——— ۶۱ھ کے اواخر یا ۶۲ھ کے اوائل میں قضاء و قدر کے ایک فیصلہ نے میرے لیے ایسی ایک صورت پیدا کر دی کہ ایک صاحب ارشاد بزرگ (جنکو میں خاصانِ خدا اور اہل یقین و اخلاص میں سے سمجھتا ہوں) کی خدمت میں قریبًا ایک ہفتہ مجھے قیام کرنا پڑا ——— موقع کو غنیمت جان کے ایک دن میں نے تصوّف اور اس کے خاص اعمال و اشغال کے متعلق اپنے خیالات عرض کیے، اپنی تسلّی یا تشفی کے لیے نہیں بلکہ بزعم خود گویا ان بزرگ کے حال اور خیال کی اصلاح کے لیے ——— لیکن اللہ کے اس بندہ نے عجب طریقِ علاج اختیار کیا تفصیل تو بہت لمبی ہے اور اس کے ذکر کا یہ موقع بھی نہیں، بس اجمالاً صرف نتیجہ سُن لیجئے کہ دو تین دن میں وہ سب اشکالات ختم ہو گئے، اور معلوم ہوا کہ یہ سارے وساوس اور اعتراضات خود اپنی ہی غلط فہمیوں کا نتیجہ تھے۔

یہ چند روز جو ان بزرگ کی خدمت میں گزرے میری زندگی میں ایک موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں ——— پھر جب میں ان بزرگ سے رخصت ہونے لگا تو انھوں نے بڑی شفقت اور محبت کے ساتھ مجھے تاکید فرمائی کہ "حضرت دہلویؒ" کے یہاں تم زیادہ جایا کرو اور ان سے ملتے رہا کرو ——— یہ بزرگ، حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو "حضرت دہلویؒ" ہی کے نام سے یاد کیا کرتے ہیں ——— میں نے عرض کیا کہ میں ان کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوا ہوں اور میرے دل میں ان کا پورا احترام ہے لیکن میں ان سے زیادہ متاثر نہیں ہو سکا ہوں

—— میری زبان سے یہ سُنکر ان بزرگ نے حضرت مولاناؒ کے متعلق بہت ہی بلند کلمات فرمائے جن کا حاصل غالباً یہ تھا کہ اللہ کا خاص تعلق بیک وقت بہت سے بندوں سے بھی ہوتا ہے، لیکن خاص الخاص تعلق بس کسی کسی کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور میرے خیال میں اسوقت حضرت دہلویؒ کے ساتھ اللہ کا تعلق خاص الخاص قسم کا ہے۔

میں چونکہ خود ان بزرگ سے بہت کچھ متاثر ہو چکا تھا اس لیے حضرت مولٰینا محمد الیاسؒ کے متعلق ان کی زبان سے یہ کلمات سُن کر میں نے ارادہ کر لیا کہ یہاں سے اب انشاء اللہ دہلی ہو کے اور مولانا کی زیارت کر کے ہی مکان واپس جاؤں گا۔ چنانچہ میں وہاں سے سیدھا دہلی گیا۔ حضرت مولانا ان دنوں سخت بیمار تھے، کئی روز سے غذا بھی بالکل نہیں ہوئی تھی ضعف کا یہ عالم تھا کہ ذرا کھڑے ہوتے تو ٹانگیں لرزنے لگتیں رہیں جب حاضرِ خدمت ہوا اور سلام کے بعد مصافحہ کیلئے ہاتھ بڑھایا تو بجائے مصافحہ فرمانیکے بستر سے اُٹھکر میرے دونوں ہاتھ پکڑ کے حضرت کھڑے ہو گئے۔ میں نے بااصرار عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں آپ کی طبیعت ناساز ہے —— فرمایا:

"کچھ نہیں ہے، بس تم ہی لوگوں کا بیمار ڈالا ہوا ہوں، تمھارا ہی ستایا ہوا ہوں، تم آجاؤ، دین کا کام کرنے لگو، انشاء اللہ اچھا ہو جاؤں گا۔"

قصہ مختصر، مولانا نے میرے ہاتھ اس وقت چھوڑے جب میں نے وعدہ کر لیا کہ انشاء اللہ آؤں گا اور وقت دوں گا۔

جہانتک یاد ہے اس دفعہ میں غالباً صرف ایک شب و روز مولانا کی خدمت میں رہا ایسی سخت بیماری اور اس درجہ کی کمزوری میں مولانا پر دین کی فکر کا میں نے جیسا غلبہ دیکھا اور دین کے ساتھ ان کے جس تعلق کا اندازہ ہوا اس نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا، اور میں یہ طے کر کے واپس آیا کہ مولانا کو اللہ تعالیٰ اس مرض سے صحت دے تو میں ان کے کام میں شریک ہو کر کچھ وقت ان کی خدمت میں گزاروں گا۔

اس مرض سے صحت کے بعد جمادی الاخری سنہ ۶۲ھ میں میوات میں ایک تبلیغی اجتماع طے ہوا، اطلاع ملنے پر یہ عاجز بھی دہلی پہنچگیا، رفیق محترم مولانا علی بھی آگئے۔ اللہ تعالیٰ مولانا احتشام الحسن صاحب کو جزائے خیر دے غالباً انھوں نے ہی یہ تجویز کیا کہ ہم دونوں مولانا کے ساتھ ایک کار میں جائیں۔ مولانا کے نہایت مخلص محب محمد شفیع صاحب قریشی کی یہ کار تھی اور بہت چھوٹی قسم کی تھی، اس میں حضرت مولانا اور ہم دونوں کے سوا صرف ایک قریشی صاحب ہی اور تھے، اور وہی کار چلانے والے تھے۔

کار نظام الدین سے روانہ ہوئی اور حضرت مولانا کے ارشادات وافادات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد مجھے خیال ہوا کہ مولانا کی یہ باتیں خود یاد رکھنے اور دوسروں تک پہنچانیکے لائق ہیں لہذا انھیں لکھ لینا چاہیے۔ چنانچہ کار ہی میں جیب سے پنسل کاغذ نکالا اور خاص خاص باتوں کو نوٹ کرنا شروع کر دیا۔ منزل مقصود پہنچنے تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔

مولانا کے ملفوظات کی یہ پہلی قسط تھی جو میں نے اس سفر میں قلمبند کی۔ اس کا ایک حصہ رجب سنہ ۶۲ھ کے الفرقان میں مولانا کی حیات بلکہ تندرستی ہی میں انکی اجازت سے شائع ہوا اور دوسرا حصہ کئی مہینہ کے وقفہ سے ربیعین سنہ ۶۳ھ کے الفرقان میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ کی پہلی اور دوسری قسط انھی ملفوظات پر مشتمل ہے۔

میوات کے اس سفر سے قریباً ایک مہینہ بعد لکھنؤ اور کانپور کے تبلیغی دورے میں بھی ایک ہفتہ حضرت مولانا کی ہمراہی نصیب رہی۔ اس سفر میں بھی بعض ارشادات نوٹ کئے، اور اس مجموعہ کی تیسری قسط انھی ملفوظات پر مشتمل ہے۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا مریض ہو کر صاحب فراش ہو گئے اور رجب سنہ ۶۳ھ میں وفات پر اس مرض کی انتہا ہوئی۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

وصال سے قریباً چار مہینے پہلے ربیع الاول یا ربیع الثانی میں مرض کی شدت اور نزاکت کی اطلاع پاکر یہ عاجز حاضرِ خدمت ہوا۔ حسنِ اتفاق سے ان دنوں میرے وہ مخدوم اور محسن بزرگ بھی مولانا کی عیادت کے لیے تشریف لائے ہوئے تھے، جنھوں نے مجھے مولانا کی خدمت میں حاضری کی تاکید فرمائی تھی۔ جب وہ تشریف لیجانے لگے تو مجھے الگ بلاکر فرمایا۔

"مولوی صاحب! اور کام تو عمر بھر کرو گے اس وقت جتنا ہو سکے ان کے پاس پڑے رہو، آجکل یہ بڑے میاں ہزاروں میل روز کی رفتار سے جا رہے ہیں۔"

ان کے اس ارشاد پر میں نے یہ طے کر لیا کہ اب مولانا کی بیماری میں انشاء اللہ یہیں رہوں گا اور ہفتہ عشرہ کے بعد رسالہ اور دفتر کی ضروریات کی دیکھ بھال کے لیے دو چار دن کے واسطے بریلی[1] چلا جایا کروں گا۔ چنانچہ یہی معمول رہا اور مجموعی طور پر غالباً دو مہینے سے کچھ زیادہ مولانا کے مرض الوفات میں میرا قیام رہا۔ جمادی الاخری ۶۲ھ کے سفر میوات اور رجب ۶۲ھ کے سفر لکھنؤ و کانپور کے ملفوظات کے سوا اس مجموعہ کے تمام ملفوظات حضرتؒ کے مرض الوفات ہی کے ہیں ——— البتہ چوتھی قسط کے تمام ملفوظات مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے مرتب کئے ہوئے ہیں، مولانا موصوف حضرت مولاناؒ کے آخری مرض میں پورا ایک مہینہ نظام الدین میں مولانا کے پاس مقیم رہے تھے اور اہتمام سے حضرتؒ کے ملفوظات قلمبند فرماتے تھے۔

مولانا کی اس بیماری میں اُن کے جن احوال و کیفیات کا مشاہدہ ہوا، یہ واقعہ ہے کہ ان سے سلف کے ان بہت سے واقعات کا یقین ہو گیا جنکو تذکروں کی کتابوں

---

[1] اس زمانہ میں میرا قیام بریلی میں رہتا تھا اور رسالہ الفرقان وہیں سے نکلتا تھا۔ ۱۲

میں پڑھا تھا لیکن انکی صحت پر اطمینان نہ ہوتا تھا ——— بہت سی باتیں جن کا مجھ جیسا ذہنی باغی قائل نہ ہو سکتا تھا، مولانا میں اُن باتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کے قائل ہو جانا پڑا۔ اس وقت کے اپنے تاثرات کا حاصل اپنے مقالہ "میری زندگی کے تجربے" میں لکھ چکا ہوں۔ اگرچہ شخصیت اور خصوصاً ایسی شخصیت کے قائم مقام کوئی چیز بھی نہیں ہو سکتی لیکن امید ہے کہ رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی کی مرتب کی ہوئی حضرت رح کی سوانح اور ملفوظات کے اس مختصر سے مجموعہ کے مطالعہ سے ناظرین کو مولانا مرحوم کی معرفت کسی درجہ میں انشاء اللہ حاصل ہو سکے گی۔

قابلِ لحاظ چند باتیں

۱۔ مولانا جب گفتگو فرماتے تھے تو یہ عاجز اس وقت صرف مختصر اشارات میں نوٹ کر لیا کرتا تھا، بعد میں کسی فرصت کے وقت الفاظ و عبارت اپنی یادداشت سے لکھتا تھا، اس لیے لفظوں میں بہت کچھ فرق کا امکان ہے۔ بلکہ بہت سے مقامات پر تو ناظرین کو سمجھانیکے خیال سے دانستہ بھی الفاظ میں کچھ تغیر کیا گیا ہے، کیونکہ مولانا مرحوم کی علمی زبان اور مخصوص طرزِ ادا کو بسا اوقات قریب رہنے والے خواص ہی سمجھ سکتے تھے

۲۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ مولانا رح کا سلسلۂ کلام جاری ہوتا تھا لیکن میں اس وقت لکھنے کی طرف توجہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا تھا، اور یہ خیال کر لیتا تھا کہ انشاء اللہ بعد میں حافظہ سے لکھ لوں گا، لیکن یاد نہیں آتا کہ پھر کبھی اس کی نوبت آئی ہو۔ اس لیے یہ واقعہ ہے کہ اس عاجز نے یاد رکھنے اور لکھنے کے قابل حضرت رح کے جو ارشادات سُنے یہ ملفوظات جو اس چھوٹی سی کتاب میں مرتّب کر کے پیش کیے جا رہے ہیں یہ شاید ان سب کا دسواں حصّہ بھی نہیں ہیں۔

۳۔ حضرت مولانا نے مسلمانوں میں دینی زندگی اور ایمانی رُوح پیدا کرنیکی جو

کوشش ایک خاص طرز پر شروع کی تھی، اور جس میں آپ نے بالآخر اپنی جان کھپا دی مولانا کا اصلی کارنامہ وہی دینی دعوت ہے، اور الحمد للہ کہ مولانا مرحوم کے بعد بھی وہ سلسلہ کم از کم مقدار اور کمیت میں تو دسوں گنے اضافہ اور ترقی کے ساتھ جاری ہے البتہ دعوت کے اصول اور اس کی روح (ایمان و احتساب) کے تحفظ کی طرف اس تحریک سے خاص تعلق رکھنے والوں کو زیادہ سے زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں بہت کچھ رہنمائی اور نشاندہی اس مجموعۂ ملفوظات سے بھی ہم حاصل کر سکتے ہیں اور دراصل یہی اس کی اشاعت کا خاص مقصد ہے۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

دیکم رمضان ۶۹ھ

ارشاداتِ حضرت مولانا محمد الیاسؒ

قسط نمبر ۱

یہ قسط حضرتؒ کی حیات میں بلکہ مرض الوفات شروع ہونے سے بھی پہلے شائع ہو چکی تھی۔

(۱)

فرمایا —— انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانہ نبوت سے ان کو بُعد ہوتا تھا، دینی امور (عبادات وغیرہ) اپنی رُوح اور حقیقت سے خالی ہو کر ان کے ہاں محض "رسوم" کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے، اور انکی ادائیگی بس ایک پڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی، اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لیے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو "امورِ دین" کی اصل حقیقتوں اور حقیقی رُوحِ شریعت سے آشنا کرتے تھے —— سب سے آخر میں جب رسُول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا انکی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی بھی تھا تو اس کی حیثیت بھی

بس چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی، انہی رسوم کو وہ اصل دین و شریعت سمجھتے تھے۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان "رسوم" کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

امّتِ محمدیؐ بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آچکی ہے حتیٰ کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہئے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک "رسم" سی ہی بن گئی ہے —— لیکن چونکہ سلسلۂ نبوّت اب ختم کیا جا چکا ہے، اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امّت کے "علماء" پر رکھدی گئی ہے جو نائبینِ نبی ہیں، تو انہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فسادِ حال کی اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں، اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیوں کہ اعمال میں یہ "رسمیت" جب ہی آتی ہے جبکہ ان میں للّٰہیت اور شانِ عبدیت نہیں رہتی، اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رخ صحیح ہو کر اللہ ہی کی طرف پھر جاتا ہے، اور "رسمیت" کے بجائے ان میں "حقیقت" پیدا ہو جاتی ہے اور ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوتا ہے —— الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للّٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امّت اور حاملانِ دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔

(۲)

فرمایا ـــــ قرآن و حدیث میں بڑی اہمیت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے کہ دین "یُسر" ہے۔ یعنی وہ سراسر سہولت اور آسانی ہے۔ لہٰذا جو چیز دین میں جس درجہ ضروری ہوگی وہ اسی درجہ میں سہل اور آسان ہونی چاہئے پس تصحیحِ نیت اور اخلاص للہ چونکہ دین میں نہایت ضروری ہے بلکہ وہی سارے امورِ دین کی روح ہے اس لئے وہ بیحد سہل ہے اور یہی "اخلاص للہ" چونکہ سارے "سلوک" اور "طریق" کا حاصل ہے اس لئے معلوم ہوا کہ سلوک بھی بہت آسان چیز ہے، مگر یاد رہنا چاہئے کہ ہر چیز اپنے اصول اور اپنے طریقہ سے سہل ہوتی ہے۔ غلط طریقہ سے تو آسان سے آسان کام بھی دشوار ہو جاتا ہے اب لوگوں کی غلطی یہ ہے کہ وہ اصول کی پابندی ہی کو مشکل سمجھتے ہیں اور اس سے گریز کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں کوئی معمولی سے معمولی کام بھی اصول کی پابندی اور مناسب طریق کار اختیار کئے بغیر انجام نہیں پاتا۔ جہاز، کشتی، ریل، موٹر سب اصول ہی سے چلتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہنڈیا روٹی تک بھی کسی اصول ہی سے پکتی ہے۔

(۳)

فرمایا ـــــ طریقت کی خاص غایت ہے اللہ تعالیٰ کے احکام اوامر کا مرغوب طبعی اور نواہی کا مکروہ طبعی ہو جانا یعنی ایسی کیفیت پیدا ہو جانا کہ

احکام واوامرِ الٰہی کے بجالانے میں لذت و فرحت حاصل ہو اور نواہی یعنی ممنوعات کے پاس جانے سے اذیت اور کراہت ہونے لگے) یہ تو ہے طریقت کی غایت، باقی جو کچھ ہے (یعنی خاص اذکار و اشغال اور مخصوص قسم کی ریاضات وغیرہ) سو وہ اس کی تحصیل کے ذرائع ہیں، لیکن اب بہت سے لوگ ان ذرائع ہی کو اصل طریق سمجھنے لگے حالانکہ بعض تو ان میں سے بدعت ہیں ——

بہرحال چونکہ ان چیزوں کی حیثیت صرف ذرائع کی ہے۔ اور یہ بذاتِ خود مقصود نہیں ہیں اس لئے احوال و مقتضیات کے اختلاف کے ساتھ اُن پر نظرِ ثانی اور حسبِ مصلحت ترمیم و تبدیل ضروری ہے البتہ جو چیزیں شریعت میں منصوص ہیں وہ ہر زمانہ میں یکساں طور پر واجب العمل رہیں گی۔

(۴)

فرمایا —— فرائض کا مقام نوافل سے بہت بلند تر ہے، بلکہ سمجھنا چاہئے کہ نوافل سے مقصود ہی فرائض کی تکمیل یا انکی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔ غرض فرائض اصل ہیں اور نوافل ان کے توابع اور فروع، مگر بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ فرائض سے تو غفلت برتتے ہیں اور نوافل میں مشغول رہنے کا اس سے بدرجہا زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔ مثلاً آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ "دعوت الی الخیر" "امر بالمعروف" اور "نہی عن المنکر" (غرض تبلیغ دین کے یہ تمام شعبے) اہم فرائض میں سے ہیں، مگر کتنے ہیں جو ان فرائض

کو ادا کرتے ہیں، لیکن اذکارِ نفلیہ میں اشتغال وانہماک رکھنے والوں کی اتنی کمی نہیں۔

(۵)

فرمایا — بعض اہلِ دین اور اصحابِ علم کو "استغناء" کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیاء اور اہلِ ثروت سے مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے — حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجتمند بنکر ان کے پاس نہ جائیں، اور طلبِ جاہ ومال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لئے اور دینی مقاصد کے لئے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بلکہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حُبِّ مال وجاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔

(۶)

فرمایا — جب کوئی اللہ کا بندہ کسی امرِ خیر کی طرف قدم بڑھانا چاہتا ہے تو شیطان طرح طرح سے اس کی مزاحمت کرتا ہے اور اس کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹیں ڈالتا ہے۔ لیکن اگر اس کی یہ مزاحمتیں اور رکاوٹیں ناکام رہتی ہیں اور وہ بندۂ خدا ان سب کو عبور کر کے اس کارِ خیر کو شروع

کرہی دیتا ہے تو پھر شیطان کی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اسکے خلاص اور اس کی نیت میں خرابی ڈال کے یا دوسرے طریقوں سے اس کارخیر میں خود حصہ دار بننا چاہتا ہے۔ یعنی کبھی اس میں "ریاء" و "سمعہ" (دکھاوے اور شہرت کی خواہش) کو شامل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور کبھی دوسرے اغراض کی آمیزش اور ملاوٹ سے اس کی للّٰہیت کو برباد کرنا چاہتا ہے اور اس میں وہ بسا اوقات کامیاب ہوجاتا ہے۔ اس لئے دینی کام کرنے والوں کو چاہئے کہ وہ اس خطرہ سے ہر وقت چوکنّے رہیں۔ اور اس قسم کے شیطانی وساوس سے ہر وقت اپنے دل کی حفاظت کرتے رہیں۔ اور اپنی نیتوں کا برابر جائزہ لیتے رہیں۔ کیوں کہ جس کام میں رضاءِ الٰہی کے علاوہ کوئی دوسری غرض کسی وقت بھی شامل ہوجائیگی پھر وہ اللہ کے یہاں قبول نہیں

(۷)

فرمایا ـــــ اکثر دینی مدارس میں یہ ایک بڑی غفلت اور کوتاہی ہوتی ہے کہ طلبہ کو پڑھا تو دیا جاتا ہے لیکن اس کی کوئی خاص کوشش نہیں کیجاتی کہ اس پڑھنے پڑھانیکا جو اصل مقصد ہے (یعنی خدمتِ دین اور دعوت الی اللہ) وہ پڑھنے کے بعد اُسی میں لگیں ـــــ اس غفلت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان مدرسوں کے بہت سے ہونہار فاضل فراغت کے بعد محض تحصیل معاش کو اپنا مطمح نظر بنا کر یا تو طِب پڑھنے میں لگ جاتے ہیں اور یا سرکاری یونیورسٹیوں

کے امتحان دیکر انگریزی اسکولوں میں ٹیچری کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، اور انکی دینی تعلیم پر جو وقت اور روپیہ خرچ ہوا تھا اور جو محنت کی گئی تھی وہ نتائج کے لحاظ سے اس طرح سب غارت ہو جاتی ہے، بلکہ لبا اوقات وہ دشمنانِ دین کے کام آتی ہے، لہٰذا پڑھانے سے زیادہ ہم کو اس کی فکر اور کوشش کرنی چاہیئے کہ جو طلبہ پڑھکر فارغ ہوں وہ دین کی خدمت ہی میں لگیں اور علمِ دین کے حقوق ادا کریں، اپنی کھیتی میں کچھ پیدا نہ ہو تو یہ بھی خسارہ ہے۔ لیکن اگر پیدا ہو کر ہمارے دشمنوں کے کام آئے تو یہ اور زیادہ خسارہ کی بات ہے۔

(۸)

فرمایا — سرکاری یونیورسٹیوں کے جو امتحانات "مولوی فاضل" وغیرہ دیے جاتے ہیں ہم لوگوں کو ان کی قباحت اور ان کے ضررِ دینی کا پورا اندازہ اور احساس نہیں۔ یہ امتحانات عموماً اسی لئے تو دیے جاتے ہیں کہ انگریزی اسکولوں میں نوکری مل سکے، گویا حکومتِ کافرہ نے اپنے مصالح کے لئے جو نظامِ تعلیم رائج کیا ہے اور اس سے اس کے جو مقاصد ہیں ان امتحانات (مولوی فاضل وغیرہ) کے دینے سے گویا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کافرانہ نظام کے معاون بلکہ اُس کے اجرتی آلۂ کار بننے کا استحقاق پیدا کیا جا سکے۔ غور فرمایا جائے، علمِ دین پر اس سے بڑا ظلم اور اُس کا اس سے زیادہ غلط استعمال اور کیا ہوگا کہ اعداءِ دین کے تعلیمی نظام کی "خدمت" کا

کام اُس سے لیا جائے ـــــ گویا یوں سمجھئے کہ ان امتحانات کے ذریعہ علمِ دین کی نسبت اللہ و رسولؐ کے بجائے کافروں اور حکومتِ کافرہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

⑨

فرمایا ـــــ علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے، اپنے فرائض اور اپنی کوتاہیوں کو سمجھے، اور ان کی ادائیگی کی فکر کرنے لگے، لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اور ان کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہے تو پھر یہ علمی کبر و غرور ہے جو اہلِ علم کے لئے بڑا مہلکہ ہے۔ ۶

"کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن"

⑩

اس سوال پر کلام کرتے ہوئے کہ "مسلمانوں کو حکومت و اقتدار کیوں نہیں بخشا جاتا؟"

فرمایا ـــــ اللہ کے احکام اور اوامر و نواہی کی حفاظت و رعایت جبکہ تم اپنی ذات اور اپنی منزلی زندگی میں نہیں کر رہے ہو جس پر تمہیں اختیار حاصل ہے اور کوئی مجبوری نہیں ہے، تو دنیا کا نظم و نسق کیسے تمہارے حوالہ کر دیا جائے۔ ایمان والوں کو حکومتِ ارضی دینے سے تو منشاءِ الٰہی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی مرضیات اور اس کے احکام کو دنیا میں نافذ کریں تو تم جب اپنے حدودِ اختیار میں

آج یہ نہیں کر رہے ہو تو دنیا کی حکومت تمھارے سپرد کر کے کل کے لئے تم سے اس کی کیا امید کی جا سکتی ہے ؟

(۱۱)

فرمایا —— جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی سمجھے جاتے ہیں درحقیقت وہ کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں ہیں بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں، البتہ آج چونکہ انکی وہ دنی اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لئے وہ انکے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں لیکن اگر کل ہی کو انکی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں تو وہ اسی درجہ میں انکے بھی حامی اور وفادار ہو جائیں گے۔ ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے۔ تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ انکو برا بھلا کہا جائے یا بس گورنمنٹ کی مخالفت پر انکو آمادہ کیا جائے انکی اصلی بیماری "غرض پرستی" ہے، اور جب تک یہ ان میں موجود رہیگی اگر گورنمنٹ کی حمایت انھوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لئے وہ کسی اور ایسی طاقت کے ایسے ہی وفادار بنیں گے، اس لئے کرنیکا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے، اور اللہ اور اس کے دین کا انھیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے بغیر ان کی بیماری کا علاج نہیں ہو سکتا۔

(۱۲)

فرمایا ـــــ یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اس چیز کے حصول سے ملتا ہے جسکی اسے رغبت اور چاہت ہو۔ مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی، بیش قیمت کھانوں اور کپڑوں سے ہی رغبت ہے تو اس کو ان چیزوں کے بغیر چین و آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔ لیکن جس کو چٹائی پر بیٹھنا، بوریئے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو ظاہر ہے کہ اس کو اسی میں زیادہ چین اور سکھ محسوس ہوگا۔ پس جن لوگوں کو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہو جائے اور انکو اسی میں لذّت اور چین ملنے لگے، ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ ان کا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرمادیا جو بیحد سستی ہیں اور جن کا حصول ہر غریب و فقیر کے لئے بہت آسان ہے۔ اگر بالفرض ہماری رغبت ان بیش قیمت چیزوں میں رکھدی جاتی جو دولت مندوں ہی کو میسّر آسکتی ہیں تو شاید عمر بھر ہم بے چین ہی رہتے۔

(۱۳)

فرمایا ـــــ ہم کو حکم ہے کہ جو مال تم کو اس دُنیا میں دیا جائے اس کو روکو مت، یعنی بخل مت کرو بلکہ خرچ کرتے رہو۔ لیکن اس شرط کی پابندی کے ساتھ کہ یہ خرچ بے جگہ بھی نہ ہو اور بے سلیقہ بھی نہ ہو، یعنی یہ صرف

صحیح محل و مصرف میں ہو اور اللہ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے اندر ہو۔

(۱۴)

ایک وقت ایسا ہوا کہ شاید بارش وغیرہ کی وجہ سے مولانا کے یہاں گوشت نہیں آسکا، اور اس دن مہمانوں میں میرے ایک محترم بزرگ (جو حضرت مولاناؒ کے خاص عزیز بھی ہیں) وہ بھی تھے۔ گوشت سے جن کی رغبت حضرت مولانا کو معلوم تھی، یہ عاجز بھی حاضر تھا، میں نے دیکھا کہ مولانا پر اس کا بہت اثر ہے کہ آج دسترخوان پر گوشت نہیں ہے مجھے اس پر ایک گونہ تعجب ہوا کہ یہ کون سی تاثر کی بات ہے؟ —— تھوڑی دیر کے بعد اسی پر قلق و افسوس کرتے ہوئے۔

فرمایا —— حدیث شریف میں ہے "مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْیُکْرِمْ ضَیْفَہٗ" (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ مہمان کا اکرام کرے) اور اکرام ضیف میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی رغبت کی چیز اگر مہیا ہو سکتی ہو تو مہیا کی جائے —— اس کے بعد ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا "فَکَیْفَ بِاَضْیَافِ اللّٰہِ وَاَضْیَافِ رَسُوْلِہٖ" (جس کا مطلب یہ ہے کہ اور جب کسی کے ہاں ایسے مہمان

آئیں جو صرف اللہ و رسولؐ کی وجہ سے اور انہی کے تعلق اور انہی کے کام سے آتے ہیں تو ان کا حق تو اور بھی زیادہ ہو جاتا ہے)

۱۵

فرمایا —— جنّت حقوق کا بدلہ ہے یعنی اپنے حقوق، اپنا چین اور اپنا آرام اللہ کے لئے مٹایا جائے، اور اپنے پر تکلیف برداشت کر کے دوسروں کے حقوق ادا کئے جائیں (جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں) تو اسی کا بدلہ جنّت ہے (اسی سلسلہ میں فرمایا) حدیث میں ارشاد ہوا ہے :

اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ	"تم زمین والوں پر رحم کھاؤ، رب تم پر رحمت فرمائے گا"

حدیث میں دو عورتوں کے دو واقعے بیان کئے گئے ہیں جو عام طور سے معلوم اور مشہور ہیں ایک یہ کہ کسی بدکار اور فاحشہ عورت نے کتّے کی خبر گیری کی اور اسکی پیاس پر ترس کھا کر کنویں سے پانی نکال کے اس کو پلایا، تو اللہ نے اس کے اس فعل کے عوض اس کے لئے جنّت کا فیصلہ فرما دیا۔

اور ایک دوسری عورت نے (جو بدکار نہیں تھی) ایک بلّی کو بھوکا رکھ کر تڑپا تڑپا کر مار ڈالا تو وہ جہنّم میں ڈال دی گئی۔

(۱۶)

فرمایا —— رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ معظمہ میں (قبل ہجرت) جو کام کرتے تھے، یعنی چل پھر کر لوگوں کو دعوتِ حق دینا اور اس مقصد کے لئے خود ان کے پاس جانا بظاہر مدینہ طیبہ پہونچ کر یہ کام آپ کا نہیں رہا بلکہ وہاں آپؐ اپنا ایک مستقر بنا کر بیٹھے، لیکن یہ آپؐ نے اس وقت کیا جب کہ مکی دعوت کو سنبھالنے والوں اور اس کام کو حُسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے والوں کی ایک خاص جماعت آپؐ نے تیار کر دی، اور پھر اس کام ہی کا یہ تقاضا ہوا کہ آپؐ ایک مرکز میں بیٹھ کے اس کام کو نظم کے ساتھ چلائیں اور کارکنوں سے کام لیں۔

علیٰ ہذا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو مدینۂ طیبہ ہی کے مرکز میں مقیم رہنا اس وقت درست ہوا جبکہ ایران و روم کے علاقوں میں اللہ کے کلموں کو سربلند کرنے کے لئے جہاد کرنیوالے اللہ کے ہزاروں بندے پیدا ہو چکے تھے اور ضرورت تھی کہ حضرت عمرؓ مرکز ہی میں رہ کر اس دعوتِ حق، اور جہاد فی سبیل اللہ کے نظام کو استحکام کے ساتھ چلائیں۔

(۱۷)

فرمایا —— حدیث میں ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کو تعلیم دی کہ وہ نماز کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے یُوں

عرض کیا کریں :

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

"یعنی اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا، اور تیرے سوا کوئی گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا نہیں، پس تو محض اپنے فضل و کرم سے (جس میں گویا میرے استحقاق کو کوئی دخل نہیں ہے) مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما، بخشنے والا اور رحم کرنیوالا یقیناً تو ہی ہے۔"

ذرا سوچیے حضورؐ نے یہ دعا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی ہے جو اس ساری امت میں اکمل و افضل ہیں اور بالخصوص ان کی نماز خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نزدیک ایسی کامل ہوتی تھی کہ آپؐ نے ان کو خود امام نماز بنایا، باوجود اس کے ان کو بھی یہ تعلیم فرمایا کہ نماز کے آخر میں اللہ پاک کے حضور اپنی کوتاہی اور عبادت کا حق ادا نہ ہو سکنے کا اعتراف اس طرح کیا کرو اور اس طرح محض اس کے فضل و کرم سے مغفرت و رحمت کی درخواست کیا کرو! ——— پھر کجا ما و شما۔

(۱۸)

فرمایا ——— انسان کا قیام زمین کے اوپر بہت کم ہے (یعنی زیادہ سے زیادہ عمر طبعی کی مقدار) اور زمین کے نیچے اس کو اس سے بہت زیادہ

قیام کرنا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ دنیا میں تو تمہارا قیام ہے بہت مختصر، اور اس کے بعد جن جن مقامات پر ٹھہرنا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد نفخۂ اولیٰ تک قبر میں، اسکے بعد نفخۂ ثانیہ تک اس حالت میں جس کو اللہ ہی جانتا ہے (اور یہ مدت بھی ہزارہا برس کی ہوگی) اور پھر ہزارہا برس ہی عرصۂ محشر میں، اس کے بعد آخرت میں جس ٹھکانے کا فیصلہ ہو — غرض دنیا سے گزرنے کے بعد ہر منزل اور مقام کا قیام دنیا سے سینکڑوں ہی گنا زیادہ ہوتا ہے — پھر انسان کی کیسی غفلت ہے کہ دنیا کے چند روزہ قیام کے لیے وہ جتنا کچھ کرتا ہے ان دوسرے مقامات کے لیے اتنا بھی نہیں کرتا۔

(۱۹)

فرمایا — "حقیقی ذکر اللہ" یہ ہے کہ آدمی جس موقع پر اور جس حال اور جس مشغلہ میں ہو اس کے متعلق اللہ کے جو احکام و اوامر ہوں انکی نگہداشت رکھے اور میں اپنے دوستوں کو اسی "ذکر" کی زیادہ تاکید کرتا ہوں۔

(۲۰)

فرمایا — انسان کو اپنے ماسوا پر جو امتیاز و تفوق حاصل ہے اسمیں زبان کو خاص دخل ہے۔ اب اگر زبان سے آدمی اچھی ہی باتیں کرتا ہے اور خیر ہی میں اس کو استعمال کرتا ہے تو یہ امتیاز اور تفوق اس کو خیر میں حاصل ہوگا، اور اگر زبان کو اس نے آلۂ شر بنا رکھا ہے مثلاً بری باتیں

بکتا ہے اور ناحق لوگوں کو ایذا دیتا ہے تو پھر اسی زبان کی بدولت وہ شر میں ممتاز اور بالاتر ہوگا، حتیٰ کہ کبھی کبھی یہی زبان آدمی کو کتّے اور خنزیر سے بھی بدتر کر دے گی۔

حدیث شریف میں ہے:

وَهَلْ يُكِبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَىٰ مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ

"یعنی آدمیوں کو جہنم میں اوندھے منہ ان کی بکواس ہی ڈالے گی"۔

اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا

قسط نمبر ۲

(۲۱)

ایک دن صبح کی نماز کے بعد خدمتِ دین اور نصرتِ دین کی ترغیب دیتے ہوئے سلسلۂ کلام اس طرح شروع فرمایا:

دیکھو سب جانتے اور مانتے ہیں کہ خدا غائب نہیں ہے بلکہ شاہد ہے اور ہر آن شاہد ہے تو اس کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے بندوں کا اس میں نہ لگنا اور اس کے غیروں میں لگا رہنا یعنی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک، سوچو کہ کیسی بے نصیبی اور کتنی بڑی محرومی ہے اور قیاس کرو کہ یہ چیز خدا کو کس قدر غضبناک کرنے والی ہوگی؟

اور خدا کے دین کے کام سے غافل رہنا اور اس کے اوامر و احکام کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے دنیا میں لگا رہنا ہی اس سے اعراض اور اس کے ماسوا میں اشتغال و انہماک ہے، اور اس کے برعکس اللہ میں لگنا یہ ہے کہ اس کے دین کی نصرت میں لگا رہے اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرتا رہے

مگر اس کا لحاظ رکھنا پڑے گا کہ جو بات جتنی زیادہ اہم اور جتنی زیادہ ضروری ہو اس کی طرف اسی قدر توجہ دی جائے، اور یہ چیز معلوم ہو گی رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے اسوۂ حسنہ سے اور معلوم ہے کہ آپ نے جس کام کے لئے سب سے زیادہ محنت کی اور سب سے زیادہ تکلیفیں برداشت کیں وہ کام تھا کلمہ کا پھیلنا، یعنی بندوں کو خدا کی بندگی کے لئے تیار کرنا اور اس کی راہ پر لگانا، تو یہی کام سب سے زیادہ اہم رہے گا، اور اس کام میں لگنا اعلیٰ درجہ کا خدا میں لگنا ہو گا۔

(۲۲)

ایک صحبت میں فرمایا ـــــ لوگوں نے اللہ کی عبدیت اور بندگی کو انسانوں کی غلامی اور نوکری سے بھی کم درجہ دے رکھا ہے غلاموں اور نوکروں کا عام حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمہ وقت اپنے آقا کے کام میں لگا رہنا ہی اپنا منصب سمجھتے ہیں، اور اس کے بیچ میں دوڑتے بھاگتے جو کچھ ہاتھ لگ جاتا ہے کھا پی بھی لیتے ہیں۔ لیکن اللہ پاک کے ساتھ اب بندوں کا یہ معاملہ رہ گیا ہے کہ مستقل طور سے تو وہ اپنے اور بالکل اپنے کاموں اور اپنے مرغوبات ولذائذ میں اپنے ہی لئے لگے رہتے ہیں، اور کبھی کبھی کچھ وقت اپنے ان ذاتی مشاغل و مرغوبات سے نکال کر خدا کا کوئی کام بھی کر لیتے ہیں، مثلاً نماز پڑھ لیتے ہیں یا خیر کے کاموں میں چندہ دیدیتے ہیں، اور سمجھتے

ہیں کہ بس خدا اور دین کا مطالبہ ہم سے ادا ہو گیا، حالانکہ حقِ بندگی یہ ہے کہ اصالتہً اور مستقلاً تو ہو دین کا کام اور اپنا کھانا پینا اور اس کے لئے سامان کرنا ہو صرف ضمناً اور تبعاً (اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سب لوگ اپنے اپنے ذرائع معاش اور کاروبار چھوڑ دیں۔ نہیں، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جو کچھ ہو اس کی بندگی کے تحت ہو، اور اس کے دین کی خدمت اور نصرت سب میں ملحوظ ہو، اور اپنے کھانے پینے وغیرہ کی حیثیت صرف ضمنی ہو جس طرح ایک غلام کی اپنے آقا کے کاروبار میں ہوتی ہے)۔

(۲۳)

ایک دن کسی وقت کی نماز ایک صاحب نے پڑھائی، بعد نماز یہ دُعاء بھی کی (جو خود حضرت مولاناؒ بھی بکثرت کیا کرتے تھے)۔

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

"اے اللہ حضرت محمدؐ کے دین کی جو لوگ مدد کریں تو ان کی مدد فرما، اور جو اس دین کی مدد نہ کریں اُن کی تو بھی کوئی مدد نہ فرما"

حضرت مولاناؒ نے اس پر تین بار باآواز بلند ایک خاص درد کے ساتھ فرمایا "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْھُمْ" پھر حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "بھائیو اس دعاء پر غور کرو اور اس کا

وزن سمجھو، یہ وہ دُعاء اور بددُعاء ہے جس کو قریبًا ہر زمانے میں اللہ کے خاص بندے کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ بڑی بھاری دُعاء ہے اس میں دین کی مدد کرنے والوں اور اس راہ میں جدوجہد کرنیوالوں کے لئے تو رحمت و نصرت کی دعاء ہے، لیکن دین کی مدد نہ کرنیوالوں کے حق میں بڑی سنگین بددُعاء ہے۔ کہ خدا ان کو اپنی رحمت و نصرت سے محروم کر دے — اب ہر شخص اس دُعاء کو اپنے اوپر منطبق کر کے دیکھے کہ وہ اس کی اچھّی دعاء کا مصداق ہے یا بددعاء کا نشانہ۔ یہ بھی خیال رہے کہ اپنی اپنی نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، اگرچہ اعلیٰ درجہ کی عبادتیں ہیں لیکن یہ دین کی نصرت کے کام نہیں ہیں، دین کی نصرت تو وہی ہے جس کو قرآن پاک اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے "نصرت" بتلایا ہے اور اس کا اصلی اور مقبول ترین طریقہ بھی وہی ہے جس کو آنحضرت (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے رواج دیا — اس وقت اس طریقہ اور اس رواج کو تازہ کرنے اور پھر سے اس کو جاری کرنے کی سعی کرنا ہی دین کی سب سے بڑی نصرت ہے۔ اللہ پاک ہم سب کو اس کی توفیق دے۔

قسط نمبر ۳

اس قسط کے تمام ملفوظات اس دینی تحریک دعوت ہی سے متعلق ہیں جسمیں حضرتؒ فنا تھے، اس دعوت کے کارکنوں کو بہت غور سے ان ملفوظات کو پڑھنا چاہیئے۔

(۲۴)

ایک صحبت میں فرمایا ــــ ہماری اس تحریک کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو "جمیع ما جاء بہ النبیؐ" سکھانا (یعنی اسلام کے پورے علمی و عملی نظام سے امت کو وابستہ کردینا) یہ تو ہے ہمارا اصل مقصد۔ رہی قافلوں کی یہ چلت پھرت اور تبلیغی گشت، سو یہ اس مقصد کیلئے ابتدائی ذریعہ ہے، اور کلمہ ونماز کی تلقین و تعلیم گویا ہمارے پورے نصاب کی "الف، ب، ت" ہے یہ بھی ظاہر ہے کہ ہمارے قافلے پورا کام نہیں کرسکتے، ان سے تو بس اتنا ہی ہوسکتا ہے کہ ہر جگہ پہنچکر اپنی جد و جہد سے ایک حرکت و بیداری پیدا کردیں اور غافلوں کو متوجہ کرکے وہاں کے مقامی اہل دین سے وابستہ کرکے نیکی اور اس جگہ کے دین کی فکر رکھنے والوں (علماء و صلحاء) کو بیچارے عوام کی اصلاح پر لگادینے کی کوشش کریں، ہر جگہ یہ اصلی کام تو وہیں کے کارکن کرسکیں گے

اور عوام کو زیادہ فائدہ اپنی ہی جگہ کے اہلِ دین سے استفادہ کرنے ہیں ہوگا البتہ اس کا طریقہ ہمارے ان آدمیوں سے سیکھا جائے جو ایک عرصہ سے افادہ و استفادہ اور تعلیم و تعلّم کے اس طریقہ پر عامل ہیں اور اس پر بڑی حد تک قابو پا چکے ہیں۔

(۲۵)

ایک صحبت میں فرمایا ـــــ ہمارے کارکن اس بات کو مضبوطی سے یاد رکھیں کہ اگر انکی دعوت و تبلیغ کہیں قبول نہ کیجائے اور الٹا انکو برا بھلا کہا جائے، الزامات لگائے جائیں تو وہ مایوس اور نہ ملول نہ ہوں، اور ایسے موقع پر یہ یاد کر لیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص سید الانبیاءؐ کی خاص سنت اور وراثت ہے، راہِ خدا میں ذلیل ہونا ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے، اور جہاں ان کا استقبال اعزاز و اکرام سے کیا جائے، انکی دعوت و تبلیغ کی قدر کیجائے، اور طلب کے ساتھ انکی باتیں سُنی جائیں اور مانی جائیں تو اسکو اللہ پاک کا فقط انعام سمجھیں اور ہرگز اس کی ناقدری نہ کریں، ان طالبوں کی خدمت اور تعلیم کو اللہ کے اس احسان کا خاص شکریہ سمجھیں، اگرچہ یہ چھوٹے سے چھوٹے طبقہ کے لوگ ہوں۔ قرآن پاک کی آیات "عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى" الآیات میں ہم کو یہی سبق دیا گیا ہے۔ ہاں اس صورت میں اپنے نفس کے فریب سے بھی ڈرتے رہیں۔ نفس اس مقبولیّت و مطلوبیت کو اپنا کمال نہ سمجھنے لگے۔ نیز اس صورت میں "پیر پرستی" کے فتنہ

کا بھی سخت اندیشہ ہے لہٰذا اس سے خاص طور سے خبردار رہیں۔

(۲۶)

ایک صحبت میں فرمایا —— سب کارکنوں کو سمجھا دو کہ اس راہ میں بلاؤں اور تکلیفوں کو خدا سے مانگیں تو ہرگز نہیں (بندہ کو ہمیشہ اللہ سے عافیت ہی مانگنی چاہئیے) لیکن اگر اللہ پاک اس راہ میں یہ مصیبتیں بھیجدے تو پھر اُن کو خدا کی رحمت اور ذریعۂ کفارۂ سیئات و رفعتِ درجات سمجھا جائے، راہِ خُدا میں اس قسم کی مصیبتیں تو انبیاء اور صدیقین و مقربین کی خاص غذائیں ہیں۔

(۲۷)

ایک صحبت میں فرمایا —— تبلیغ و دعوت کے وقت بالخصوص اپنے باطن کا رخ اللہ پاک ہی کی طرف رکھنا چاہئیے نہ کہ مخاطبین کی طرف، گویا اس وقت ہمارا دھیان یہ ہونا چاہئیے کہ ہم اپنے کسی کام اور اپنی ذاتی رائے سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم سے اور اس کے کام کے لئے نکلے ہیں۔ مخاطبین کی توفیق بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جب اس وقت یہ دھیان ہو گا تو انشاءاللہ مخاطبین کے غلط برتاؤ سے نہ تو غصہ آئے گا اور نہ ہمّت ٹوٹے گی۔

(۲۸)

فرمایا —— کیسا غلط رواج ہو گیا ہے، دوسرے لوگ ہماری بات مان لیں تو اسکو ہم اپنی کامیابی سمجھتے ہیں اور نہ مانیں تو اس کو ہماری ناکامی

سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس راہ میں یہ خیال کرنا بالکل ہی غلط ہے، دوسروں کا ماننا یا نہ ماننا تو ان کا فعل ہے، انکے کسی فعل سے ہم کامیاب یا ناکام کیوں کہے جائیں، ہماری کامیابی یہی ہے کہ ہم اپنا کام پورا کردیں، اب اگر دوسروں نے نہ مانا تو یہ انکی ناکامی ہے۔ ہم انکے نہ ماننے سے ناکامیاب کیوں ہو گئے؟ لوگ بھول گئے، وہ منوا دینے کو (جو درحقیقت خدا کا کام ہے) اپنا کام اور اپنی ذمّہ داری سمجھنے لگے، حالانکہ ہماری ذمّہ داری صرف بطریق حسن اپنی کوشش لگا دینا ہے منوانے کا کام تو پیغمبروں کے سپرد بھی نہیں کیا گیا۔

ہاں نہ ماننے سے یہ سبق لینا چاہئے کہ شاید ہماری کوشش میں کمی رہی اور ہم سے حق ادا نہ ہو سکا جس کی وجہ سے اللہ پاک نے یہ نتیجہ ہمیں دکھلایا اور اس کے بعد اپنی کوشش کی مقدار بڑھا دینے اور دعاء و توفیق طلبی میں بھی کمّاً و کیفاً اضافہ کرنے کا عزم کر لینا چاہئے۔

(۲۹)

فرمایا — ہمارے عام کارکن جہاں بھی جائیں وہاں کے حقانی علماء و صلحاء کی خدمت میں حاضری کی کوشش کریں لیکن یہ حاضری صرف استفادہ کی نیت سے ہو اور اُن حضرات کو براہِ راست اس کام کی دعوت نہ دیں وہ حضرات جن دینی مشاغل میں لگے ہوئے ہیں ان کو تو وہ خوب جانتے ہیں اور انکے منافع کا وہ تجربہ رکھتے ہیں اور تم اپنی یہ بات ان کو اچھی طرح سے سمجھا نہ سکو گے۔

یعنی تم ان کو اپنی باتوں سے اس کا یقین نہیں دلا سکو گے کہ یہ کام ان کے دوسرے دینی مشاغل سے زیادہ دین کے لئے مفید اور زیادہ منفعت بخش ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تمھاری بات کو مانیں گے نہیں، اور جب ایک دفعہ ان کی طرف سے "نا" ہو جائیگی تو پھر اس "نا" کا کبھی بھی "ہاں" سے بدلنا مشکل ہو جائیگا۔ پھر اس کا ایک بُرا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے عقیدت مند عوام بھی پھر تمھاری بات نہ سنیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود تمھارے اندر تذبذب پیدا ہو جائے، اس لئے انکی خدمت میں بس استفادہ ہی کے لئے جایا جائے لیکن انکے ماحول میں نہایت محنت سے کام کیا جائے اور اصولوں کی زیادہ سے زیادہ رعایت کی کوشش کیجائے۔ اس طرح اُمید ہے کہ تمھارے کام اور اس کے نتائج کی اطلاعیں خود بخود ان کو پہنچیں گی، اور وہ ان کے لئے داعی اور انکی توجہ کی جالب ہو جائیں گی۔ پھر اگر اس کے بعد وہ خود تمھاری طرف اور تمھارے کام کی طرف متوجّہ ہوں تو ان سے سرپرستی اور خبر گیری کی درخواست کی جائے، اور ان کے دینی ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات اُن سے کہی جائے۔

(۳۰)

فرمایا ـــــ اگر کہیں دیکھا جائے کہ وہاں کے علماء اور صلحاء اس کام کی طرف ہمدردانہ طور سے متوجہ نہیں ہوتے تو انکی طرف سے بدگمانیوں کو دِل میں

جگہ نہ دی جائے، بلکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ان حضرات پر اس کام کی پوری حقیقت ابھی کھلی نہیں، نیز یہ سمجھ لیا جائے کہ چونکہ یہ دین کے خاص خادم ہیں اس لئے شیطان ان کا ہم سے زیادہ گہرا دشمن ہے (چور مایا ہی پر تو آتا ہے) علاوہ اسکے یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ دنیا جو حقیر و ذلیل چیز ہے جب اس کے گرفتار اپنے دنیوی مشاغل پر اس کام کو ترجیح نہیں دے سکتے اور اپنے مشاغل وانہماک کو چھوڑ کر اس کام میں نہیں لگ سکتے تو اہلِ دین اپنے اعلیٰ دینی مشاغل کو اس کام کے لئے کیسے آسانی سے چھوڑ سکتے ہیں۔ عرفاء نے کہا ہے کہ "حجاباتِ نورانی حجاباتِ ظلمانی سے بدرجہا زیادہ شدید ہوتے ہیں۔"

۳۱

ایک صحبت میں فرمایا —— تبلیغ کے اصولوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عمومی خطاب میں پوری سختی ہو اور خصوصی خطاب میں نرمی، بلکہ حتی الوسع خصوصی اصلاح کے لئے بھی عمومی خطاب ہی کیا جائے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خاص افراد کا بھی کوئی جرم معلوم ہوتا تو بھی اکثر آپ "ما بال اقوام" کہہ کر ہی خطاب و عتاب فرماتے۔

۳۲

ایک صحبت میں فرمایا —— باتوں سے خوش ہو لینا ہماری عادت ہو گئی ہے اور اچھے کام کی باتیں کر لینے کو ہم اصل کام کے قائم مقام سمجھ لیتے ہیں

اس عادت کو چھوڑدو، کام کرو کام ؎

کارکن کار بگذر از گفتار

کندریں رہ کار دارد کار

(۳۳)

ایک صحبت میں فرمایا — وقت چلتی ہوئی ایک ریل ہے۔ گھنٹے منٹ اور لمحے گویا اس کے ڈبّے ہیں، اور ہمارے مشاغل اس میں بیٹھنے والی سواریاں ہیں، اب ہمارے دنیوی اور مادی ذلیل مشاغل نے ہماری زندگی کی ریل کے ان ڈبوں پر ایسا قبضہ کرلیا ہے کہ وہ شریف اُخروی مشاغل کو آنے نہیں دیتے ہمارا کام یہ ہے کہ عزیمت سے کام لے کے ان ذلیل اور دنی مشاغل کی جگہ ان شریف اور اعلیٰ مشاغل کو قابض کردیں جو خدا کو راضی کرنیوالے اور ہماری آخرت کو بنانے والے ہیں۔

(۳۴)

ایک صحبت میں فرمایا — جتنا بھی اچھے سے اچھّا کام کرنیکی اللہ توفیق دے ہمیشہ اس کا خاتمہ استغفار پر ہی کیا جائے۔ غرض ہمارے ہر کام کا جزو آخر استغفار ہو، یعنی یہ سمجھ کر کہ مجھ سے یقیناً اس کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان کوتاہیوں کے لئے اللہ سے معافی مانگی جائے، رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نماز کے ختم پر بھی اللہ سے استغفار کیا کرتے تھے، لہذا تبلیغ کا کام بھی ہمیشہ

استغفار ہی پر ختم کیا جائے، بندہ سے کسی طرح بھی اللہ کے کام کا حق ادا نہیں ہو سکتا، نیز ایک کام میں مشغولیت بہت سے دوسرے کاموں کے نہ ہو سکنے کا بھی باعث بنجاتی ہے تو اس قسم کی چیزوں کی تلافی کے لئے بھی ہر اچھے کام کے ختم پر استغفار کرنا چاہیئے۔

(۳۵)

ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولاناؒ کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پہ لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ باآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ:

"آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جد وجہد بیکار ہو گی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم و ذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کیجا سکتی) بلکہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔ دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام و ایمان محض رسمی اور اسمی ہیں۔ اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علیٰ ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو

اس میں بھی بڑا خطرہ ہے۔ الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علمِ دین کے ذکر کے حقیقی برکات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنا لیتا ہے۔ لہٰذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اسکا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی، او رخدانکردہ آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔"

(حضرت مولاناؒ کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنیوالے تبلیغ و دعوت کے سلسلہ کی محنت و مشقت، سفر و ہجرت اور ایثار و قربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں، جیساکہ آجکل کی عام ہوا ہے، بلکہ دین کے تعلیم و تعلّم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں، بالفاظ دیگر ان کو صرف "سپاہی" اور والنٹیر بننا نہیں ہے، بلکہ طالبِ علمِ دین اور "اللہ کا یاد کرنیوالا بندہ" بھی بننا ہے)۔

قسط نمبر ۴

(اس قسط کے تمام ملفوظات حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی
کے مرتب فرمائے ہوئے ہیں)

۳۶

آخری دفعہ جب میں وسط جون میں حاضر ہوا تو دیکھتے ہی فرمایا ؎

بہ لبم رسیدہ جانم تو بیا کہ زندہ مانم
پس ازاں کہ من نہ مانم بچہ کار خواہی آمد

مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ آبدیدہ ہو گیا، پھر فرمایا کہ وعدہ بھی یاد ہے؟ (میں نے وعدہ کیا تھا کہ کچھ دن تبلیغ میں دوں گا) عرض کیا یاد ہے، مگر اس وقت تو دہلی میں گرمی بہت ہے رمضان میں تعطیل ہو گی تو بعد رمضان کے وقت دوں گا۔ فرمایا تم رمضان کی باتیں کرتے ہو یہاں شعبان کی بھی اُمید نہیں[1]۔ میں نے

---

[1] چنانچہ شعبان آنے میں ابھی ایک عشرہ باقی تھا کہ ۲۱ رجب ۱۳۶۳ھ کی صبح کو رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ ۱۲

عرض کیا بہت اچھا اب میں ٹھہر گیا، آپ دل بُرا نہ کریں، میں ابھی تبلیغ میں وقت دونگا۔ یہ سنکر چہرہ خوشی سے چمک اٹھا، میرے گلے میں باہیں ڈالدیں اور پیشانی کو بوسہ دیا اور دیر تک سینہ سے لپٹائے رکھا، اور بہت دعائیں دیں۔ پھر فرمایا تم نے میری طرف رخ تو کیا ہے بہت سے علماء تو دُور دُور ہی سے میرے مقصد کو سمجھنا چاہتے ہیں"۔ پھر ایک بڑے عالم کا نام لیا کہ وہ تبلیغ میں آجکل بہت حصّہ لے رہے ہیں، مگر مجھ سے پوچھو تو ابتک بھی وہ میرے منشاء کو نہیں سمجھے، کیونکہ مجھ سے آج تک بلاواسطہ گفتگو نہیں کی، وسائط سے گفتگو کی ہے اب میں وسائط سے اپنے منشاء کو کیونکر سمجھادوں، خصوصًا جبکہ وسائط بھی ناقص ہوں، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم کچھ دنوں میرے پاس رہو تو میری منشاء کو سمجھو گے، دُور رہ کر نہیں سمجھ سکتے، یہ میں جانتا ہوں کہ تم تبلیغ میں حصّہ لیتے ہو جلسوں میں تقریر کرتے ہو، تمھاری تقریر سے نفع بھی ہوتا ہے، مگر یہ تبلیغ وہ نہیں جو میں چاہتا ہوں۔

۳۷

ایک صحبت میں فرمایا ـــ حدیث میں ہے "اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّۃُ الْکَافِرِ" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں نفس کی حمایت اور نفسانی خواہشات کیمطابق چلنے کے لئے نہیں بھیجے گئے جس سے یہ دنیا آدمی کیلئے "جنّت" بنجاتی ہے، بلکہ ہم نفس کی مخالفت اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کے لئے بھیجے گئے ہیں جس سے یہ دنیا "مومن" کیلئے "سجن" (جیل خانہ) بنجاتی ہے پس اگر ہم بھی کفار کی طرح

نفس کی حمایت و موافقت کر کے دنیا کو اپنے لئے جنّت بنائیں گے تو ہم جنتِ کفار کے غاصب ہونگے اور اس صورت میں نصرتِ حق غاصب کے ساتھ نہ ہوگی، بلکہ مغصوبٌ منہ کے ساتھ ہوگی، فرمایا، "اس میں اچھی طرح غور کرو۔"

۳۸

فرمایا — لوگ میری تبلیغ کے برکات دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ کام ہو رہا ہے حالانکہ کام اور چیز ہے اور برکات اور چیز ہیں، دیکھو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت شریفہ ہی سے برکات کا تو ظہور ہونے لگا تھا مگر کام بہت بعد میں شروع ہوا، اسی طرح یہاں سمجھو، میں سچ کہتا ہوں کہ ابھی تک اصلی کام شروع نہیں ہوا جس دن کام شروع ہو جائیگا تو مسلمان سات سو برس پہلے کی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے، اور اگر کام شروع نہ ہوا بلکہ اسی حالت پر رہا جس پر ابتک ہے اور لوگوں نے اس کو بھی منجملہ تحریکات کے ایک تحریک سمجھ لیا اور کام کرنیوالے اس راہ میں بچل گئے تو جو فتنے صدیوں میں آتے وہ مہینوں میں آجائیں گے، اس لئے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

۳۹

ایک جمعہ کو مسجد اسمبلی دہلی میں قبل نماز جمعہ میرا بیان ہوا، مولانا ہی کی تجویز تھی کہ وہاں بیان ہونا چاہیئے نماز کے بعد میں اسی روز نظام الدین واپس نہ ہوا، اپنے اعزہ کے پاس رات کو رہ گیا، اگلے دن نظام الدین پہنچا اور معذرت کی کہ

اعزہ کے اصرار کیوجہ سے رات کو دہلی رہ گیا تھا۔ فرمایا، ارے مولانا اس معذرت کی ضرورت نہیں، کام میں لگنے والوں کو ایسے اعذار پیش آیا ہی کرتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں، اچھا یہ تبلاؤ مسجد اسمبلی میں وعظ ہوا تھا؟ عرض کی، جی ہاں ہوا تھا۔ بہت خوش ہوئے، اور فرمایا دیکھو یہ لوگ خود اپنی طلب سے ہم کو نہیں بلاتے، ان کو دنیا ہی سے فرصت نہیں، ان کے پاس ہم کو بلا طلب خود جاکر تبلیغ کرنا چاہیئے۔

پھر دریافت فرمایا، کیا بیان ہوا تھا؟ عرض کیا کہ آیت اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ (الآیہ) سے یہ ثابت کر کے کہ عقلاء وہ ہیں جو نظامِ عالم میں غور کر کے اس کے خالق کو پہچانتے اور ہر وقت اس کی یاد میں رہتے ہیں، نہ وہ جو زمین و آفتاب کی گردش ہی کے چکر میں رہ جائیں، اور خالق تک نہ پہونچیں، ذکر اللہ کی ضرورت اور اسکی حقیقت واضح کی، پھر تبلیغ کی ضرورت پر زور دیا تھا۔ فرمایا، یہ مضمون بہت اونچا تھا، اس مجمع کے مناسب نہ تھا۔ اس مضمون کے اہل یہاں پر جمع ہیں اس کو یہاں کسی وقت بیان کرنا چاہیئے۔ اس مجمع کے مناسب دوسری آیت تھی۔ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْھَا وَاَنَابُوْٓا اِلَی اللّٰہِ لَھُمُ الْبُشْرٰی فَبَشِّرْ عِبَادِیْ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ

هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ" فرمایا یہ طبقہ نیچے کے درجہ کا ہے جس پر لفظ "هَدٰهُمُ اللّٰهُ" دال ہے۔ عرض کیا سچ ہے، پھر موقع ہوا تو وہاں اسی کو بیان کروں گا۔

(۴۰)

ایک صحبت میں فرمایا ___ ہماری تبلیغ کا اصل مقصد طاغوت سے ہٹنا اور اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے، اور یہ بدون قربانی کے نہیں ہوسکتا، دین میں جان کی بھی قربانی ہے اور مال کی بھی، سو تبلیغ میں جان کی قربانی یہ ہے کہ اللہ کے واسطے اپنے وطن کو چھوڑے اور اللہ کے کلمہ کو پھیلائے دین کی اشاعت کرے، مال کی قربانی یہ ہے کہ سفر تبلیغ کا خرچ خود برداشت کرے، اور جو کسی مجبوری کی وجہ سے کسی زمانہ میں خود نہ نکل سکے وہ خصوصیت سے اس زمانہ میں دوسرونکو تبلیغ میں نکلنے کی ترغیب دے، اوروں کو بھیجنے کی کوشش کرے، اس طرح "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ" کی بناء پر جتنوں کو یہ بھیجے گا اُن سب کی کوششوں کا ثواب اسکو بھی ملے گا، اور اگر نکلنے والوں کی امداد مالی بھی کریگا تو مالی قربانی کا بھی اس کو ثواب ملے گا۔ پھر ان جانے والوں کو اپنا محسن سمجھنا چاہئے کہ جو کام ہمارے کرنے کا تھا مگر ہم کسی عذر کی وجہ سے اسوقت نہیں کر سکے تو یہ حضرات ہمارے فرض کو ادا کر رہے ہیں۔ دین یہی ہے کہ قاعدین و معذورین مجاہدین کو اپنا محسن سمجھیں۔

(۴۱)

ایک بار فرمایا ـــــ مولانا! ہماری تبلیغ میں علم اور ذکر کی بڑی اہمیت ہے، بدون علم کے نہ عمل ہو سکے نہ عمل کی معرفت، اور بدون ذکر کے علم ظلمت ہی ظلمت ہے، اس میں نور نہیں ہو سکتا، مگر ہمارے کام کرنیوالوں میں اس کی کمی ہے، میں نے عرض کیا کہ تبلیغ خود بہت اہم فریضہ ہے، اس کی وجہ سے ذکر میں کمی ہونا ویسا ہی ہے جیسا حضرت سیّد صاحب بریلوی قدس سرہٗ نے جس وقت جہاد کی تیاری کے لئے اپنے خدام کو بجائے ذکر و شغل کے نشانہ بازی اور گھوڑے کی سواری میں مشغول کر دیا، تو بعض نے یہ شکایت کی کہ اس وقت پہلے جیسے انوار نہیں ہیں، تو حضرت سید صاحب نے فرمایا کہ ہاں اس وقت ذکر کے انوار نہیں ہیں، جہاد کے انوار ہیں، اور اس وقت اسی کی ضرورت ہے۔ فرمایا، مگر مجھے علم اور ذکر کی کمی کا قلق ہے اور یہ کمی اس واسطے ہے کہ ابتک اہلِ علم اور اہلِ ذکر اس میں نہیں لگے ہیں۔ اگر یہ حضرات آکر اپنے ہاتھ میں کام لیلیں تو یہ کمی بھی پوری ہو جائے۔ مگر علماء اور اہلِ ذکر تو ابھی تک اس میں بہت کم آئے ہیں۔

(تشریح) ابتک جو جماعتیں تبلیغ کے لئے روانہ کی جاتی ہیں ان میں اہلِ علم اور اہلِ نسبت کی کمی ہے جس کا حضرت کو قلق تھا، کاش اہلِ علم اور اہلِ نسبت بھی ان جماعتوں میں شامل ہو کر کام کریں تو یہ کمی پوری ہو جائے۔

الحمدللہ مرکزِ تبلیغ میں اہلِ علم اور اہلِ نسبت موجود ہیں، مگر وہ چند گنتی کے آدمی ہیں، اگر وہ ہر جماعت کے ساتھ جایا کریں تو مرکز کا کام کون سرانجام دے۔

(۴۲)

ایک خط میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ فقرہ تھا کہ مسلمان دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں، تیسری کوئی قسم نہیں، یا اللہ کے راستہ میں خود نکلنے والے ہوں یا نکلنے والوں کی مدد کرنیوالے ہوں۔ فرمایا، بہت خوب سمجھے ہیں، پھر فرمایا کہ نکلنے والوں کی مدد میں یہ بھی داخل ہے کہ لوگوں کو نکلنے پر آمادہ کرے اور ان کو بتلائے کہ تمھارے نکلنے سے فلاں عالم کے درس بخاری یا درس قرآن کا حرج نہ ہوگا، تو تم کو بھی اسکے درس کا ثواب ملیگا، اس قسم کی نیتوں سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہئے اور ثواب کے راستے بتلانا چاہئیں۔

(۴۳)

ایک بار فرمایا "مولانا! ہماری تبلیغ کا حاصل یہ ہے کہ عام دیندار مسلمان اپنے اوپر والوں سے دین کو لیں اور اپنے نیچے والوں کو دیں، مگر نیچے والوں کو اپنا محسن سمجھیں، کیونکہ جتنا ہم کلمہ کو پہنچائیں گے پھیلائیں گے اس سے خود ہمارا کلمہ بھی کامل اور منوّر ہوگا، اور جتنوں کو ہم نمازی بنائیں گے اس سے خود ہماری نماز بھی کامل ہوگی (تبلیغ کا یہ بڑا گُر ہے کہ اس سے مبلّغ کو اپنی تکمیل مقصود ہو، دوسروں کیلئے اپنے کو ہادی نہ سمجھے کیونکہ ہادی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں)

(۴۴)

ایک بار فرمایا "حدیث میں ہے مَنْ لَایَرْحَمْ لَایُرْحَمْ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْکُمْ مَنْ فِی السَّمَاءِ" مگر افسوس! لوگوں نے اس حدیث کو بھوک اور فاقہ والوں پر رحم کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے، اس لئے ان کو اس شخص پر تو رحم آتا ہے جو بھوکا ہو، پیاسا ہو، ننگا ہو، مگر مسلمانوں کی دین سے محرومی پر رحم نہیں آتا، گویا دنیا کے نقصان کو نقصان سمجھا جاتا ہے لیکن دین کے نقصان کو نقصان نہیں سمجھا جاتا، پھر ہم پر آسمان والا کیوں رحم کرے، جب ہمیں مسلمانوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے پر رحم نہیں"۔ فرمایا "ہماری اس تبلیغ کی بنیاد ہی رحم پر ہے، اس لئے یہ کام شفقت اور رحم ہی کے ساتھ ہونا چاہئے۔ اگر مبلّغ اس لئے تبلیغ کر رہا ہے کہ اس کو اپنے بھائیوں کی دینی حالت کے ابتر ہونے کا صدمہ ہے تو یقیناً وہ رحم اور شفقت کے ساتھ اپنے فریضہ کو انجام دے گا۔ لیکن اگر یہ منشاء نہیں کچھ اور منشاء ہے تو پھر تکبّر و عُجب میں مبتلا ہو گا جس سے نفع کی اُمید نہیں، نیز جو شخص اس حدیث کو پیش نظر رکھ کر تبلیغ کرے گا اس میں خلوص بھی ہو گا، اس کی نظر اپنے عیوب پر بھی ہو گی اور دوسروں کے عیوب پر نظر کے ساتھ ان کی اسلامی خوبیوں پر بھی نظر ہو گی، تو یہ شخص اپنے نفس کا حامی نہ ہو گا بلکہ شاکی ہو گا، اور اس تبلیغ کا گُر یہی ہے کہ حمایتِ نفس سے الگ ہو کر شکایت نفس کا سبق ہمیشہ پیش نظر رہے۔

(۴۵)

ایک بار فرمایا "مولانا! احکامِ الٰہیہ کا تفقّد لازم ہے، برابر تفقّد میں لگا رہنا چاہیئے، مثلاً کسی کام میں مشغول ہونے سے پہلے سوچنا چاہیئے کہ اشتغال دو چیزوں کو چاہتا ہے، ایک اس کام پر توجّہ کو جس میں مشغول ہونا چاہتا ہے دوسرے اور کاموں سے اس وقت غفلت کو، تو اب سوچنا چاہیئے کہ جن کاموں سے اس وقت غفلت ہوگی ان میں کوئی اس کام سے تو اہم نہیں جس میں اشتغال ہوگا، اور یہ بدون تفقّد کے نہیں ہوسکتا۔"

(۴۶)

ایک بار فرمایا "نماز سے پہلے کچھ دیر نماز کا مراقبہ کرنا چاہیئے، جو نماز بلا انتظار کے ہو وہ پھس پھسی ہے، تو نماز سے پہلے نماز کو سوچنا چاہیئے۔

فائدہ: شریعت نے اسی واسطے فرائض سے پہلے سنن و نوافل و اقامت وغیرہ مشروع کئے ہیں تاکہ نماز کا مراقبہ اچھی طرح ہوجائے، پھر فرض ادا کیا جائے، مگر ہم نہ تو سنن و نوافل اور اقامت وغیرہ کے ان فوائد اور مصالح کو سمجھتے ہیں اور نہ ان سے یہ فائدے حاصل کرتے ہیں، اس لئے ہمارے فرائض بھی ناقص ادا ہوتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلٰوۃِ وَتَمَامَ رِضْوَانِکَ۔ اٰمِیْن!

(۴۷)

ایک بار فرمایا کہ تبلیغ میں کام کرنیوالوں کو اپنے قلب میں وسعت پیدا کرنا چاہئے جو اللہ کی وسعتِ رحمت پر نظر کر کے پیدا ہوگی، اسکے بعد تربیت کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(۴۸)

ایک بار فرمایا کہ سیدنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ابتدائے اسلام کے زمانہ میں (جب دین ضعیف تھا اور دنیا قوی تھی) بے طلب لوگوں کے گھر جا جا کر انکی مجالس میں بلا طلب پہونچکر دعوت دیتے تھے، طلب کے منتظر نہیں رہے بعض مقامات پر حضرات صحابہ کو از خود بھیجا ہے کہ فلاں جگہ تبلیغ کرو۔ اسوقت وہی ضعف کی حالت ہے تو اب ہم کو بھی بے طلب لوگوں کے پاس خود جانا چاہئے ملحدوں، فاسقوں کے مجمع میں پہنچنا چاہئے اور کلمۂ حق بلند کرنا چاہیئے (پھر خشکی غالب ہوگئی اور بات نہ کر سکے، تو فرمایا) مولانا! تم میرے پاس بہت دیر میں پہنچے، اب میں تفصیل سے کچھ نہیں کہہ سکتا، بس جو کچھ کہہ دیا اسی میں غور کرتے رہیئے۔

(۴۹)

ایک بار فرمایا "میں ابتداء میں اس طرح ذکر کی تعلیم دیتا ہوں، ہر نماز کے بعد تسبیح فاطمہ اور تیسرا کلمہ (سُبحَانَ اللہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکبَر

وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ) اور صبح و شام سو سو بار درود شریف و استغفار و تلاوتِ قرآن مع تصحیح قرأت اور نوافل میں تہجد کی تاکید اور اہل ذکر کے پاس جانا۔ علم بدون ذکر کے ظلمت ہے اور ذکر بدون علم کے بہت سے فتنوں کا دروازہ ہے۔"

(۵۰)

ایک بار فرمایا" کہ خواب نبوّت کا چھیالیسواں حصّہ ہے، بعض لوگوں کو خواب میں ایسی ترقی ہوتی ہے کہ ریاضت و مجاہدہ سے نہیں ہوتی، کیونکہ انکو خواب میں علوم صحیحہ القاء ہوتے ہیں جو نبوت کا حصّہ ہے پھر ترقی کیوں نہ ہوگی (علم سے معرفت بڑھتی ہے اور معرفت سے قرب بڑھتا ہے) اسی لئے ارشاد ہے (قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا)" پھر فرمایا آجکل خواب میں مجھ پر علوم صحیحہ کا القاء ہوتا ہے، اس لئے کوشش کرو کہ مجھے نیند زیادہ آئے (خشکی کی وجہ سے نیند کم ہونے لگی تھی تو میں نے حکیم صاحب اور ڈاکٹر کے مشورہ سے سر میں تیل کی مالش کرائی جس سے نیند میں ترقی ہوگئی" آپ نے فرمایا کہ اس تبلیغ کا طریقہ بھی مجھ پر خواب میں منکشف ہوا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد" کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" کی تفسیر خواب میں یہ القاء ہوئی کہ تم مثال انبیاء (علیہم السّلام) کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے ہو (اور اس مطلب کو اُخْرِجَتْ سے تعبیر کرنے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ایک جگہ جم کر کام نہ ہوگا بلکہ دربدر نکلنے کی ضرورت ہوگی) تمہارا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، اس کے

بعد "تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ" فرما کر یہ بتلایا گیا ہے کہ اس امر بالمعروف سے خود تمھارے ایمان کو ترقی ہوگی (ورنہ نفس ایمان کا حصول تو "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" ہی سے معلوم ہو چکا ہے پس دوسروں کی ہدایت کا قصد نہ کرو اپنے نفع کی نیت کرو، اور "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" میں النّاس سے مراد عرب نہیں بلکہ غیر عرب ہیں، کیونکہ عرب کے متعلّق تو "لَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِرٍ وَمَا اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ" فرما کر یہ بتلا دیا گیا تھا کہ اُن کے متعلق ہدایت کا ارادہ ہو چکا ہے، آپ ان کی زیادہ فکر نہ کریں، ہاں "کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" کے مخاطب اہل عرب ہیں، اور "النّاس" سے مراد دوسرے لوگ ہیں جو عرب نہیں، چنانچہ اس کے بعد "وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْکِتٰبِ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ" اس پر قرینہ ہے۔ اور یہاں "لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ" فرمایا "لکان خیر الکم" نہیں فرمایا، کیونکہ مبلّغ کو تو تبلیغ ہی سے اپنے ایمان کی تکمیل کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے خواہ مخاطب قبول کرے یا نہ کرے۔ اگر مخاطب تبلیغ کا اثر قبول کر کے ایمان لے آئے تو اس کا اپنا بھی فائدہ ہوگا، مبلّغ کا فائدہ اس پر موقوف نہیں۔

۵۱

ایک بار فرمایا "زکوٰۃ کا درجہ ہدیہ سے کمتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) پر صدقہ حرام تھا، ہدیہ حرام نہ تھا، اور گو زکوٰۃ فرض ہے اور ہدیہ مستحب ہے مگر بعض دفعہ مستحب کا اجر فرض سے بڑھ جاتا ہے جیسے ابتدائے سلام کرنا سنّت ہے اور جواب دینا فرض ہے، مگر ابتدائے سلام جواب سے بہتر ہے

اسی طرح زکوٰۃ گو فرض ہے مگر اس کا ثمرہ تطہیر مال ہے اور ہدیہ گو مستحب ہے مگر اس کا ثمرہ تطییب قلب مسلم ہے تو ثمرہ کے لحاظ سے یہ افضل ہے کیونکہ تطہیر مال سے تطییب قلب مسلم کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور زکوٰۃ سے بھی اگرچہ مسلمان حاجتمند کی تطییب قلب ہو جاتی ہے مگر مقصوداً نہیں بلکہ تبعاً حاصل ہو جاتی ہے اور ہدیہ سے اصل مقصود ہی تطییب قلب مسلم ہے" پھر فرمایا کہ" زکوٰۃ دینے والوں پر تفقدِ مصرف لازم ہے جیسے نماز پڑھنے والے پر پاک پانی کا تلاش کرنا لازم ہے اور صحیح مصرفِ زکوٰۃ وہ ہے جس میں زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے طمع مال پیدا نہ ہو۔ شریعت کا زکوٰۃ فرض کرنے سے یہ ہرگز مقصود نہیں کہ غریب مسلمانوں میں مال کی حرص و طمع پیدا ہو جائے کہ لوگوں کی خیرات و زکوٰۃ کے منتظر رہا کریں۔

پس جو شخص اللہ پر بھروسہ کر کے صبر اختیار کرتا ہے جس قدر وہ صبر و توکّل کریگا اسی قدر اہلِ سوال پر بقدر اس کے صبر کے اس کی امداد لازم ہوتی ہے، چنانچہ ارشاد ہے لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ"۔ تو صحیح مصرفِ زکوٰۃ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور صبر سے اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں کسی سے سوال نہیں کرتے، نہ کسی سے طمع رکھتے ہیں، مگر آجکل اہلِ اموال پیشہ ور سائلوں کو زکوٰۃ دیکر سمجھ لیتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا ہو گئی، حالانکہ وہ تو پہلی زکوٰۃ کو بھی کھو دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد بھی اموال میں

برکت نہیں ہوتی، حالانکہ قطعی وعدہ ہے کہ زکوٰۃ سے مال میں برکت ہوتی ہے، پس جو لوگ زکوٰۃ کے بعد اپنے مال میں برکت کا مشاہدہ نہ کریں ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ زکوٰۃ مصرف میں نہیں دی گئی اور انھوں نے مصرف کا تفقّد نہیں کیا۔"

(۵۲)

ایک بار فرمایا کہ "مسلمانوں کو علماء کی خدمت چار نیتوں سے کرنا چاہیئے

(۱) اسلام کی جہت سے، چنانچہ محض اسلام کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی مسلمان کی زیارت کو جائے، یعنی محض حسبۃً للہ ملاقات کرے تو ستّر ہزار فرشتے اسکے پاؤں تلے اپنے پر اور بازو بچھا دیتے ہیں۔ تو جب مطلقاً ہر مسلمان کی زیارت میں یہ فضیلت ہے تو علماء کی زیارت میں بھی یہ فضیلت ضروری ہے۔

(۲) یہ کہ ان کے قلوب و اجسام حامل علومِ نبوّت ہیں، اس جہت سے بھی وہ قابلِ تعظیم اور لائقِ خدمت ہیں۔

(۳) یہ کہ وہ ہمارے دینی کاموں کی نگرانی کرنیوالے ہیں۔

(۴) ان کی ضروریات کے تفقّد کے لئے۔ کیونکہ اگر دوسرے مسلمان انکی دنیوی ضرورتوں کا تفقّد کر کے اُن ضرورتوں کو پورا کر دیں جن کو اہلِ اموال پورا کر سکتے ہیں تو علماء اپنی ان ضرورتوں میں وقت صرف کرنے سے بچ جائینگے اور وہ وقت بھی خدمتِ علمِ دین میں خرچ کریں گے، تو اہلِ اموال کو ان کے ان اعمال کا ثواب ملے گا۔

مگر عام مسلمانوں کو چاہئے کہ معتمد علماء کی تربیت اور نگرانی میں علماء کی خدمت کا فرض ادا کریں، کیونکہ ان کو خود اس کا علم نہیں ہو سکتا کہ کون زیادہ مستحقِ امداد ہے کون کم (اور اگر کسی کو خود اپنے تفقّد سے اس کا علم ہو سکے تو وہ خود تفقّد کرے)۔"

(۵۳)

فرمایا "مسلمان دعاء سے بہت غافل ہیں، اور جو کرتے بھی ہیں انکو دُعاء کی حقیقت معلوم نہیں۔ مسلمانوں کے سامنے دعاء کی حقیقت کو واضح کرنا چاہئے۔

"دُعاء کی حقیقت ہے اپنی حاجتوں کو بلند بارگاہ میں پیش کرنا، پس جتنی بلند وہ بارگاہ ہے اتنا ہی دعاؤں کے وقت دل کو متوجہ کرنا اور الفاظِ دعاء کو تضرّع وزاری سے ادا کرنا چاہئے اور یقین و اذعان کے ساتھ دُعاء کرنا چاہئے کہ ضرور قبول ہو گی کیونکہ جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بہت سخی اور کریم ہے، اپنے بندوں پر رحیم ہے زمین و آسمان کے خزانے سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں!!

(۵۴)

ایک بار فرمایا کہ "جو وفود سہارنپور، دیوبند وغیرہ تبلیغ کے لئے جا رہے ہیں ان کے ہمراہ تجّارِ دہلی کے خطوط کر دیئے جائیں، جن میں نیازمندانہ لہجہ میں حضرات علماء سے عرض کیا جائے کہ یہ وفود عوام میں تبلیغ کے لئے حاضر ہو رہے ہیں

آپ حضرات کے اوقات بہت قیمتی ہیں اگر ان میں سے کچھ وقت اس قافلہ کی سرپرستی میں دے سکیں جس میں آپ کا اور طلبہ کا حرج نہ ہو تو اس کی سرپرستی فرمائیں اور طلبہ کو اس کام میں اپنی نگرانی میں ساتھ لیں، طلبہ کو از خود بدون اساتذہ کی نگرانی کے اس کام میں حصّہ نہ لینا چاہئے، اور قافلہ والوں کو یعنی وفودِ تبلیغ کو نصیحت کیجائے کہ اگر حضرات علماء توجّہ میں کمی کریں تو انکے دلوں میں علماء پر اعتراض نہ آنے پائے بلکہ یہ سمجھ لیں کہ علماء ہم سے بھی زیادہ اہم کام میں مشغول ہیں، وہ راتوں کو بھی خدمتِ علم میں مشغول رہتے ہیں جب کہ دوسرے آرام کی نیند سوتے ہیں، اور انکی عدمِ توجہ کو اپنی کوتاہی پر محمول کریں کہ ہم نے انکے پاس آمد و رفت کم کی ہے اس لئے وہ ہم سے زیادہ ان لوگوں پر متوجّہ ہیں جو سالہا سال کے لئے ان کے پاس آپڑے ہیں۔"

پھر فرمایا "کہ ایک عامی مسلمان کی طرف سے بھی بلاوجہ بدگمانی ہلاکت میں ڈالنے والی ہے، اور علماء پر اعتراض تو بہت سخت چیز ہے۔"

پھر فرمایا "ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزّتِ مسلم اور احترامِ علماء بنیادی چیز ہے، ہر مسلمان کی بوجہ اسلام کے عزّت کرنا چاہئے، اور علماء کا بوجہ علمِ دین کے بہت احترام کرنا چاہئے۔"

پھر فرمایا "کہ علم اور ذکر کا کام ابھی تک ہمارے مبلّغین کے قبضہ میں نہیں آیا، اس کی مجھے بڑی فکر ہے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ان

لوگوں کو اہلِ علم اور اہلِ ذکر کے پاس بھیجا جائے کہ ان کی سرپرستی میں تبلیغ بھی کریں اور اُن کے علم و صحبت سے بھی مستفید ہوں۔

۵۵

ایک دن میں آنیوالے مہمانوں سے گفتگو میں زیادہ مشغول رہا، مولانا کیخدمت میں زیادہ نہ بیٹھا، ظہر کے بعد حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا "تم کو زیادہ میرے پاس رہنا چاہیئے" عرض کیا، کہ آج آنے والوں کا زیادہ ہجوم تھا، میں نے ان کو اپنے پاس رکھا اور تبلیغ پر ان سے باتیں کرتا رہا تاکہ آپ کے پاس زیادہ ہجوم نہ ہو، اور آپ کو زیادہ بولنا نہ پڑے۔ فرمایا "اس کی بھی یہی صورت تھی کہ تم میرے پاس رہتے، میں تم سے دل کی بات کرتا رہتا، تم دوسرونکو پہنچا دیتے اس طرح میرے دل کا کانٹا تو نکل جاتا، تم میرے پاس رہو میری باتوں کو سنتے رہو اور دوسروں کو پہنچاؤ تاکہ مجھے کسی سے خطاب نہ کرنا پڑے۔ بعضے لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم تجھ کو بولنے نہ دیں گے، مگر جب تک میرے دل کا کانٹا نہ نکل جائے، میں کیسے چُپ ہو جاؤں۔ میں ہرگز چپ نہ ہونگا چاہے مر جاؤں"۔

۵٦

ایک بار فرمایا "حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بہت بڑا کام کیا ہے، بس میرا دل یہ چاہتا ہے کہ تعلیم تو اُن کی ہو اور طریقۂ تبلیغ میرا ہو

کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائیگی۔" پھر فرمایا" وعظ میں احکامِ شرعیہ کی مصالح و علل بیان نہ کرو۔ بس تین چیزوں کو مدِ نظر رکھنے کی لوگوں کو تعلیم کی جائے، ایک یہ کہ ہر عمل میں رضائے حق کا قصد کریں اور آخرت کا یقین رکھیں۔ جو عمل بھی ہو رضائے حق کے لئے اور یقینِ آخرت کے ساتھ ہو، کہ یہ آخرت میں مفید ہوگا، وہاں اس سے ثواب ملے گا یا عذاب دفع ہوگا۔ اس کے ساتھ کسی ایسے نفع کا قصد نہ ہو جو موت سے پہلے دنیا میں حاصل ہونیوالا ہے۔ وہ تو رونگے کے طور پر خود ہی حاصل ہو جاتے ہیں وہ مقصود نہیں ہیں، گو ان کا حصول یقینی ہے اور اس کا یقین رکھنا بھی لازم ہے مگر عمل سے ان کا قصد نہ کیا جائے۔" پھر فرمایا" ہاں جس جگہ اس کی ضرورت ہو وہاں اسرار و مصالح کے بیان کا مضائقہ بھی نہیں، مگر ہر جگہ بیان نہ کیا جائے۔"

(۵۷)

ایک بار فرمایا۔" حضرت مولانا تھانوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے کیونکہ وہ قریب العہد ہیں، اسی وجہ سے تم میری باتیں جلدی سمجھ جاتے ہو کہ مولانا کی باتیں سُن چکے ہو، اور تازہ سُنی ہوئی ہیں۔" پھر فرمایا "تمہاری وجہ سے میرے کام میں بہت برکت ہوئی ہے، میرا بہت جی خوش ہوا، پھر بہت دعائیں دیں اور فرمایا" تم خود بھی رو رو کر اس نعمت کا شکر کرو اَللّٰهُمَّ مَا اَصْبَحَتْ بِیْ اَوْ اَمْسَتْ بِیْ مِنْ نِّعْمَةٍ اَوْ بِاَحَدٍ

مِّنْ خَلْقِكَ فَمِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ فَلَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ

(۵۸)

فرمایا "تبلیغ کے کام کے لئے سادات کو زیادہ کوشش کے ساتھ اٹھایا جائے اور آگے بڑھایا جائے۔ حدیث "تَرَكْتُ فِيْكُمُ الثَّقَلَيْنِ كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلَ بَيْتِیْ" کا یہی مقتضا ہے ان بزرگوں سے دین کا کام پہلے بھی بہت ہوا ہے اور آئندہ بھی انہی سے زیادہ امید ہے۔"

(۵۹)

ایک دن فرمایا۔ "کسی مسلمان کو کسی سے اللہ کے لئے محبت ہو، یا اس سے کسی مسلمان کو اللہ کے لئے سچی محبت ہو، تو یہ محبت اور حسن ظن ہی آخرت کے لئے ذخیرہ ہے۔ مسلمانوں کو جو مجھ سے محبت ہے اس سے کچھ امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ وہاں بھی پردہ پوشی ہو جائے گی۔"

پھر فرمایا۔ "اپنی تہی دستی کا یقین ہی کامیابی ہے، کوئی بھی اپنے عمل سے کامیاب نہ ہوگا محض اللہ کے فضل سے کامیاب ہوگا۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرماتے ہیں "لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اَحَدٌ بِعَمَلِهٖ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ"۔ یہ حدیث پڑھ کر مولانا خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔

(۶۰)

ایک بار فرمایا "مولانا! علماء اس طرف نہیں آتے، میں کیا کروں؟ ہائے اللہ میں کیا کروں؟" عرض کیا سب آجائیں گے آپ دُعاء کریں۔ فرمایا "میں تو دُعاء بھی نہیں کر سکتا، تم ہی دعاء کرو" پھر یہ اشعار پڑھے ؎

اَسْتَغْفِرُ اللہَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ ، لَقَدْ نَسَبْتُ بِہٖ نَسْلاً لِذِی عُقُمٍ

ظلمت سنة من احيي الظلام إلى ، ان اشتكت قد ماه الضر من ورم

اس کے بعد آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا "قصیدہ بردہ ہمارے یہاں نصاب علماء میں داخل ہے، مگر ادبیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ رقّتِ قلب اور زیادتِ محبّت نبویہ کے لئے داخل کیا گیا ہے"

(۶۱)

فرمایا "اسلام میں ایک تو وسعت کا درجہ ہے، یہ وسعت تو اتنی ہے کہ مسلمان کے گھر پیدا ہو جانا، دار الاسلام میں پیدا ہونا، خیر ابوین کا تابع ہونا بھی مسلمان شمار کئے جانے کے لئے کافی ہے اور اس وسعت کے ساتھ مخلوق کو اس میں داخل کرنے کے بعد پھر حتی الوسع اس کو نکلنے بھی نہیں دیتے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجوہِ کفر موجود ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو اس کو مسلمان ہی کہا جائیگا، مگر یہ حقیقی اسلام نہیں بلکہ رسمی ہے۔ حقیقی اسلام یہ ہے کہ مسلمان میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی حقیقت

پائی جائے، اور اسکی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتقاد کرنیکے بعد اللہ تعالےٰ کی بندگی کا عزم وارادہ دل میں پیدا ہو، معبود کے راضی کرنیکی فکر دل کو لگجائے ہر وقت یہ دُھن لگی رہے کہ ہائے وہ مجھ سے راضی ہے یا نہیں ؟

(٦٢)

فرمایا" دو چیزوں کا مجھے بڑا فکر ہے انکا اہتمام کیا جائے۔ ایک ذکر کا کہ اپنی جماعت میں اس کی کمی پا رہا ہوں اُن کو ذکر بتلایا جائے، دوسرے اہلِ اموال کو مصرفِ زکوٰۃ سمجھایا جائے، انکی زکوٰتیں اکثر برباد جارہی ہیں، مصرف میں خرچ نہیں ہوتیں، میں نے ایسے چالیس آدمیوں کے نام لکھوائے ہیں جو طامع و حریص نہیں، اگر ان کو زکوٰۃ دیجائے تو ان میں حرص و طمع پیدا نہ ہوگی، اور وہ توکلاً علی اللہ تبلیغ کے کام میں لگے ہوئے ہیں، ان کی امداد بہت ضروری ہے، اہلِ اموال کو ایسے لوگوں کا تفقّد کرنا چاہیئے کہ کس کو کتنی ضرورت ہے۔ یہ جو پیشہ ور سائلوں کو اور عام چندہ مانگنے والوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں بسا اوقات اس سے ان کی زکوٰتیں مصرف پر صرف نہیں ہوا کرتی ہیں۔

(٦٣)

فرمایا" علم سے عمل پیدا ہونا چاہیئے اور عمل سے ذکر پیدا ہونا چاہیئے جب ہی علم علم ہے اور عمل عمل ہے۔ اگر علم سے عمل پیدا نہ ہوا تو سراسر ظلمت ہے اور عمل سے اللہ کی یاد دل میں نہ پیدا ہوئی تو پھُسپھُسا ہے اور ذکر بلا علم بھی فتنہ ہے

(٦٤)

فرمایا۔ "لوگوں کو ہدیہ، صدقہ اور قرض کے فضائل واقعاتِ صحابہؓ سے بتلانا چاہئیں، صحابہؓ مزدوری کرکر کے صدقہ کرتے تھے، ان میں صرف اغنیاء ہی صدقہ نہیں کرتے تھے، غریب بھی مزدوری کرکے کچھ نہ کچھ صدقہ کیا کرتے تھے، کیونکہ صدقہ کے فضائل ان کی نظر میں تھے، اور جب صدقہ کا یہ درجہ ہے تو ہدیہ تو اس سے بھی افضل ہے۔ اسی طرح قرض دینے کے بھی بہت فضائل ہیں، مثلاً جس وقت قرض کی مدت پوری ہو جائے اس کے بعد تنگدست مقروض کو اگر مہلت دیگئی تقاضا نہ کیا گیا تو ہر دن صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"

(٦٥)

فرمایا "مجھے اپنے اوپر استدراج کا خوف ہے"۔ میں نے عرض کیا کہ یہ خوف عین ایمان ہے (امام حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ اپنے اوپر نفاق کا خوف مومن ہی کو ہوتا ہے) مگر جوانی میں خوف کا غلبہ اچھا ہے اور بڑھاپے میں حسن ظن باللہ اور رجا کا غلبہ اچھا ہے۔ فرمایا "ہاں صحیح ہے۔"

قسط نمبر ۵

(حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے ٹھیک ایک سال پہلے رجب ۱۳۶۲ھ میں لکھنؤ اور کانپور کا ایک تبلیغی سفر فرمایا تھا، یہ عاجز اس سفر میں ہمرکاب تھا۔ قسط ہٰذا کے ملفوظات اسی سفر کے ہیں)

(۶۶)

فرمایا: "ہمارے اس تبلیغی کام میں حصہ لینے والوں کو چاہیئے کہ قرآن و حدیث میں دین کی دعوت و تبلیغ پر اجر و ثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں اور جن انعامات کی بشارت سنائی گئی ہے ان پر کامل یقین کرتے ہوئے انہی کی طمع و امید میں اس کام میں لگیں، —— اور اس کا بھی دھیان کیا کریں کہ ہماری ان حقیر کوششوں کے ذریعہ اللہ پاک جتنوں کو دین پر لگادیں گے اور پھر اس سلسلہ سے جو لوگ قیامت تک دین پر پڑیں گے اور وہ جو بھی نیک عمل کریں گے تو ان کے اعمالِ حسنہ کا جتنا ثواب انکو ملے گا انشاء اللہ تعالیٰ اُن تمام ثوابوں کے مجموعہ کے برابر اللہ پاک اپنے وعدہ کے مطابق ہم کو بھی عطا فرمائینگے۔ بشرطیکہ ہماری نیّت خالص اور ہمارا کام قابلِ قبول ہو۔"

۶۷

فرمایا" لوگوں کو جب اس تبلیغی کام کے لئے آمادہ کرنا ہو تو وضاحت کے ساتھ اس کام میں لگنے کے مفاد اور اس کا اخروی اجر و ثواب بھی خوب تفصیل سے ان کو بتلاؤ (اور اس طرح بیان کرنیکی کوشش کرو کہ تھوڑی دیر کے لئے تو جنّت کا کچھ سماں اُن کی آنکھوں کے سامنے آجائے جیساکہ قرآن مجید کا طریقہ ہے) اس کے بعد انشاء اللہ اُن کے لئے یہ آسان ہو گا کہ اس کام میں مشغولی کی وجہ سے تھوڑے سے بہت دنیوی کاموں کے ہرج اور نقصان کا جو اندیشہ انھیں ہوگا وہ اس کو نظر انداز کر سکیں گے"۔

۶۸

فرمایا" تبلیغی گشت کے وقت میں اور خاص طور سے کسی مخاطبہ کے وقت بھی ذکر و فکر میں مشغولی کے لئے جماعت کو جو تاکید کی جاتی ہے تو اس کا خاص منشا یہ ہے کہ جس وقت ایک حقیقت کسی کو سمجھانے اور منوانیکی کوشش کی جائے تو بہت سے دلوں میں اس وقت اِس حقیقت کی تصدیق اور اس کا یقین و اذعان ہو، اس کا اثر دوسرے کے قلب پر پڑتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانی قلوب میں بڑی طاقتیں رکھی ہیں، لوگ ان سے واقف نہیں ہیں"۔

۶۹

فرمایا" ذکر اللہ شرِ شیاطین سے بچنے کے لئے قلعہ اور حصن حصین ہے

لہٰذا جس قدر غلط اور بُرے ماحول میں تبلیغ کے لئے جایا جائے شیاطین، جنّ وانس کے بُرے اثرات سے اپنی حفاظت کے لئے اسی قدر زیادہ ذکر اللہ کا اہتمام کیا جائے۔

(٧٠)

ایک دینی مدرسہ کے طلبہ کی ایک جماعت سے خطاب کا آغاز اس سوال سے کیا) بتلاؤ تم کون ہو؟ (پھر خود ہی فرمایا) —— "تم مہمانانِ خدا و رسول ؐ ہو، مہمان اگر میزبان کو ایذا پہونچائے تو اس کی ایذاء دوسروں کی ایذاء سے بہت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے، پس اگر تم "طالب علم" ہو کر خدا و رسول ؐ کی رضا کے کام نہ کرو اور غلط راہوں پر چلو، تو سمجھ لو کہ تم اللہ و رسول ؐ کے ستانے والے ان کے مہمان ہو۔"

(٧١)

(انہی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا) —— دیکھو! شیطان بڑا چالاک اور عیار ہے وہ تاک کے مایہ پر گرتا ہے، آپ لوگ علم دین سیکھنے کے لئے گھروں سے نکل پڑے تو شیطان اس سے تو مایوس ہو گیا کہ آپ نرے جاہل رہیں، اس لئے اس نے جاہل رکھنے کی کوشش چھوڑ کے اب یہ طے کر لیا کہ ان کو پڑھنے دو مگر کام میں اپنے لگانے کی کوشش کرو —— میری یہ تحریک شیطان کی اس کوشش کے مقابلہ میں "جرِ ثقیل" ہے۔ جس کا

منشاء یہ ہے کہ خدا کے بندوں کو شیطان کی راہ سے اٹھا کر اللہ کی راہ پر ڈال دوں، اور اللہ ہی کے کام میں لگا دوں، بتاؤ کیا فیصلہ ہے؟"

(٧٢)

(اسی خطاب کے سلسلہ میں فرمایا) "جن لوگوں کے حقوقِ خدمت تم پر ہیں اور جن کی اطاعت کرنا تمھارے لئے ضروری ہے انکی خدمت و راحت کا انتظام کر کے اور ان کو مطمئن کر کے اس کام میں نکلو، اور اپنا رویہ ایسا رکھو کہ تمھارے علم و صلاح کے ذوق میں ترقی دیکھ کر تمھارے سرپرست اس مشغلہ میں تمھارے لگنے سے نہ صرف یہ کہ مطمئن ہوں بلکہ خواہاں اور راغب ہو جائیں"۔

(٧٣)

فرمایا"۔ دین کے کاموں میں اصل مطلوب اور مقصود تو ہونا چاہیئے صرف رضائے الٰہی اور اجرِ اخروی، اور دنیا میں جن انعامات و برکات کا وعدہ کیا گیا ہے مثلاً چین کی اور عزت کی زندگی، یا مثلاً استخلاف اور تمکین فی الارض سو یہ مطلوب نہیں بلکہ موعود ہیں، یعنی ہم کو جو کچھ کرنا ہے وہ کرنا تو چاہیئے صرف رضاءِ الٰہی اور فلاحِ اُخروی کے لئے، مگر یقین رکھنا چاہیئے اللہ کے ان مواعید پر بھی (بلکہ ان کے لئے دعائیں بھی کرنا چاہئیں مگر ان کو اپنی عبادت و اطاعت کا اصل مقصود نہیں بنانا چاہیئے) ـــــ موعود اور مطلوب کے اس فرق کو آپ لوگ اس مثال سے شاید اچھی طرح سمجھ سکیں گے کہ نکاح و شادی سے

مقصود تو بیوی کا حصول اور اس سے تمتع ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ آتا ہے جہیز وغیرہ بھی، جو گویا عرفاً موعود ہوتا ہے، لیکن ایسا بیوقوف دنیا میں شاید ہی کوئی ہو جو شادی ہی صرف جہیز حاصل کرنے کے لئے کرے، —— اور اگر بالفرض کوئی ایسا کرے اور بیوی کو معلوم ہو جائے کہ اس نے شادی میرے لئے نہیں کی بلکہ میرے ساتھ آنیوالے جہیز کے لئے کی ہے، تو سوچو کہ بیوی کے دل میں اس کے لئے کتنی جگہ رہے گی؟"

(۷۴)

فرمایا۔ "انسان کا امتیاز اپنے ماسوا دوسری مخلوقات سے زبان کی وجہ سے ہے، ہونا تو چاہیئے یہ امتیاز خیر ہی میں، لیکن ہوتا ہے یہ شر میں بھی یعنی جس طرح انسان زبان کے صحیح استعمال اور اس سے اللہ کا اور دین کا کام لینے کی وجہ سے خیر و سعادت میں فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح اس زبان کو بے جا استعمال کرنے سے خنزیر اور کتے جیسے جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے —— وَهَلْ يُكِبُّ النَّاسَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ اِلَّا حَصَائِدُ اَلْسِنَتِهِمْ —— (حدیث)"

(۷۵)

چند روز پہلے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تھا حضرت ممدوح سے تعلق بیعت رکھنے والے ایک صاحب زیارت کے لئے تشریف

لائے، راقم سطور نے ان کا تعارف کرایا، اس پر حضرتؒ نے فرمایا :۔

"جن حضرات کا حلقۂ محبّت و تعلّق اتنا وسیع ہو جتنا کہ ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا تھا، چاہئے کہ انکی تعزیت عامہ کی فکر کی جائے، میرا جی چاہتا ہے کہ اس وقت حضرتؒ کے تمام تعلّق رکھنے والوں کی تعزیت کی جائے، اور خاص طور سے یہ مضمون آجکل پھیلایا جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعلّق بڑھانے، حضرتؒ کی برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرتؒ کے ترقی درجات کی کوششوں میں حصّہ لینے اور حضرتؒ کی رُوح کی مسرّتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرتؒ کی تعلیماتِ حقّہ اور ہدایات پر استقامت کی جائے، اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کیجائے جتنا جتنا حضرتؒ کی ہدایات پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدۂ "مَنْ دَعیٰ اِلیٰ حَسَنَۃٍ فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا" (حدیث) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سرمایۂ حسنات اور درجاتِ عالیہ میں ترقی ہوگی"۔

پھر فرمایا کہ "یہ ایصالِ ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے"۔

(۷۶)

فرمایا: "اگر کوئی شخص اپنے کو تبلیغ کا اہل نہیں سمجھتا ہے تو اس کو بیٹھا رہنا ہرگز نہیں چاہئے، بلکہ اس کو تو کام میں لگنے اور دوسروں کو اٹھانیکی اور زیادہ کوشش کرنا چاہئے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا خیر، چند

نااہلوں کے سلسلہ سے کسی اہل تک پہنچ جاتا ہے اور پھر وہ پھلتا پھولتا ہے اور پھر اس کا اجر بقاعدہ :-

مَنْ دَعٰی اِلٰی حَسَنَۃٍ فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا

وَمَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا۔ (حدیث)

ان نااہلوں کو بھی پورا پہونچ جاتا ہے جو اس کام کے اس اہل تک پہونچنے کا ذریعہ بنے۔

پس جو نااہل ہو اس کو تو اس کام میں اور زیادہ زور سے لگنا ضروری ہے — میں بھی اپنے کو چونکہ نااہل سمجھتا ہوں اس لئے اس میں منہمک ہوں کہ شاید اللہ میری اس کوشش سے کام کو اس کے کسی اہل تک پہنچا دے اور پھر اس کام کا جو اعلیٰ اجر اللہ پاک کے یہاں ہو وہ مجھے بھی عطا فرما دیا جائے۔"

(٧٧)

فرمایا، "حضرت ابو سعید خدری (رضی اللہ عنہ) کی مشہور حدیث "مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ" کے آخری جز فَبِقَلْبِہٖ کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالۂ منکر کے لئے اصحابِ قلوب اپنی قلبی قوتوں کو استعمال کریں، یعنی ہمت و توجّہ کو کام میں لائیں۔"

پھر اسی ذیل میں فرمایا :-

امام عبدالوہاب شعرانی نے مقامِ قطبیت حاصل کرنیکی ایک تدبیر لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جہاں جو جو معروفات مٹے ہوئے ہیں اور مُردہ ہو گئے ہیں ان کا تصوّر کرے، پھر دل میں ان کے مٹنے کا ایک درد محسوس کرے اور پورے الحاح اور تضرّع کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے اور اپنی قلبی قوّت کو بھی ان کے احیاء کے لئے استعمال کرے ـــــ اسی طرح جہاں جہاں جو جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے اور پھر ان کے فروغ کی وجہ سے اپنے اندر ایک سوزش اور دُکھ محسوس کرے، پھر پورے تضرع کیساتھ اللہ تعالیٰ سے انکو مٹا دینے کے لئے دعاء کرے اور اپنی ہمّت و توجہ کو بھی ان کے استیصال کے لئے استعمال کرے"۔

"امام عبدالوہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ "جو شخص ایسا کرتا رہے گا اِن شاءاللہ وہ قطبِ عصر ہوگا"۔

(۷۸)

فرمایا۔" ہر موقع کا اصلی اور اعلیٰ ذکر خاص اس موقع کے متعلق احکام خداوندی کی رعایت ہے لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" پس جو شخص اولاد کے ساتھ برتاؤ میں اور خرید و فروخت جیسے معاملات میں احکامِ خداوندی کی اطاعت اور حدود اللہ کی رعایت کرتا ہے وہ ان

مشاغل میں مشغول ہوتے ہوئے بھی اللہ کا ذاکر ہے۔"

۷۹

فرمایا "جنت متواضعین ہی کے لئے ہے، انسان میں اگر کبر کا کوئی حصہ ہے تو پہلے اس کو جہنم میں ڈالکر پھونکا جائے گا جب خالص متواضع رہ جائیگا تب وہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ بہرحال کبر کے ساتھ کوئی آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔"

۸۰

فرمایا "ہمارے بزرگوں نے غیر سالکین کو صوفیاء کی کتابوں کے مطالعہ سے منع کیا ہے، ہاں جو سالک کسی محقق شیخ کے زیر تربیت ہو وہ مطالعہ کرے تو مضائقہ نہیں۔"

۸۱

مولانا مرحوم نے اسی لکھنؤ کے سفر میں ایک مشہور عالم دین کو بھی جماعت کے ساتھ لکھنؤ تشریف لانے کی دعوت دلوائی تھی، وہ صاحب تشریف لے آئے، مولانا نے ان سے ایک موقع پر فرمایا:-

"حضرت! میں نے آپ کو وعظ کہلوانے کے لئے تکلیف نہیں دی ہے ہمارے اس کام میں وعظ و تقریر تو محض ضمنی چیز ہے، آپ جیسے حضرات کو

سفر کی تکلیف میں صرف اس لئے دیتا ہوں کہ اپنی جگہ پر اور اپنے مشاغل میں رہتے ہوئے تو میرے اس کام کو سمجھنے اور اس پر غور کرنے کے لئے آپ حضرات کو مہلت نہیں ملتی، لیکن جب سفر کی وجہ سے آپ اپنے مشاغل اور اپنے ماحول سے الگ کر لئے جاتے ہیں تو پھر اطمینان سے میری بھی سُن سکتے ہیں، اور جماعت کے کام کو بھی بچشم خود دیکھ سکتے ہیں، اور اس کے بارہ میں غور و فکر بھی فرما سکتے ہیں۔"

(۸۲)

فرمایا۔ "لوگوں کو ترغیب دو کہ وہ دین سیکھنے سکھانے اور دین کو پھیلانے کے واسطے اپنے خرچ پر گھروں سے نکلیں، اگر ان میں اس کی بالکل استطاعت نہ ہو یا وہ اتنے ایثار پر آمادہ نہ ہوں تو پھر حتی الوسع انہی کے ماحول سے اسکا انتظام کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر دوسری جگہ سے ہی انتظام کر دو، لیکن یہ بہر حال ملحوظ رہے کہ ان میں اشرافِ نفس پیدا نہ ہو جائے۔ یہ چیز (یعنی اپنی حاجات میں بجائے اللہ کے، بندوں پر نظر ہونا جس کا نام اشراف ہے) ایمان کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے والی ہے۔

نیز ان نکلنے والوں کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دیا جائے کہ اس راہ کی تکلیفوں، بھوک، پیاس وغیرہ کو اللہ کی رحمت سمجھیں، اس راستہ میں یہ تکالیف تو انبیاء اور صدیقین اور مقربین کی غذائیں ہیں۔"

(۸۳)

فرمایا" دوستو! ابھی کام کا وقت باقی ہے، عنقریب دین کے لئے دو زبردست خطرے پیش آئیں گے، ایک تحریک شدھی کی طرح کفر کی تبلیغی کوشش، جو جاہل عوام میں ہو گی، اور دوسرا خطرہ ہے الحاد و دہریت کا، جو مغربی حکومت و سیاست کے ساتھ ساتھ آ رہا ہے، یہ دونوں مگراہیاں سیلاب کی طرح آئیں گی، جو کچھ کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے پہلے کر لو۔"

(۸۴)

فرمایا" دین کی عمومی تعلیم و تربیت کا جو طریقہ ہم اپنی اس تحریک کے ذریعہ رائج کرنا چاہتے ہیں صرف وہی طریقہ حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے زمانہ میں رائج تھا اور اسی طرز سے وہاں عام طور پر دین سیکھا اور سکھایا جاتا تھا ـــــ بعد میں جو اور طریقے اس سلسلہ میں ایجاد ہوئے، مثلاً تصنیف و تالیف اور کتابی تعلیم وغیرہ، سو اُن کو ضرورتِ حادثہ نے پیدا کیا، مگر اب لوگوں نے صرف اسی کو اصل سمجھ لیا ہے اور حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے زمانہ کے طریقے کو بالکل بھلا دیا گیا ہے، حالانکہ اصل طریقہ وہی ہے اور عمومی پیمانہ پر تعلیم و تربیت صرف اسی طریقہ سے دی جا سکتی ہے۔"

(۸۵)

فرمایا" مجھے جب بھی میوات جانا ہوتا ہے تو میں ہمیشہ اہلِ خیر اور

اہلِ ذکر کے مجمع کے ساتھ جاتا ہوں، پھر بھی عمومی اختلاط سے قلب کی حالت اسقدر متغیر ہو جاتی ہے کہ جب تک اعتکاف کے ذریعہ اس کو غسل نہ دوں یا چند روز کے لئے "سہارنپور" یا "رائے پور" کے خاص مجمع اور خاص ماحول میں جا کر نہ رہوں قلب اپنی حالت پر نہیں آتا۔"

دوسروں سے بھی کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ:

"دین کے کام کے لئے پھرنے والوں کو چاہئے کہ گشت اور چلت پھرت کے طبعی اثرات کو خلوتوں کے ذکر و فکر کے ذریعہ دھویا کریں۔"

(۸۶)

فرمایا۔ "ہماری تبلیغ میں کام کرنے والوں کو تین طبقوں میں تین ہی مقاصد کے لئے خصوصیت سے جانا چاہئے:

۱۔ علماء اور صلحاء کی خدمت میں دین سیکھنے اور دین کے اچھے اثرات لینے کے لئے۔

۲۔ اپنے سے کم درجہ کے لوگوں میں دینی باتوں کو پھیلانے کے ذریعہ اپنی تکمیل اور اپنے دین میں رسوخ حاصل کرنے کے لئے۔

۳۔ مختلف گروہوں میں ان کی متفرق خوبیاں جذب کرنے کے لئے۔

(۸۷)

ایک دن دعاء کرتے ہوئے فرمایا:

"اے اللہ کافروں پر تیرے بندے ہونے کی حیثیت سے جو شفقت اور

جو ترحم ہم میں ہونا چاہئے اور اس کی وجہ سے ان کے جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہوں ان کی ادائگی کی توفیق کے ساتھ ان کے کفر سے ہمارے قلب میں پوری پوری نفرت اور کراہت پیدا کرے"۔

(۸۸)

فرمایا" اہلِ دین (علماء و صلحاء) کو اس کام (تبلیغی و اصلاحی جد و جہد) میں شریک کرنے اور ان کو راضی و مطمئن کرنے کی فکر زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیئے اور جہاں ان کا اختلاف اور ناگواری معلوم ہو وہاں ان کو معذور قرار دینے کے لئے ان کے حق میں اچھی تاویل کرنی چاہیئے، اور ان کی خدمتوں میں دینی استفادہ اور حصولِ برکات کی نیّت سے حاضر ہوتے رہنا چاہیئے"۔

(۸۹)

فرمایا" نفسِ اسلام کی بھی اللہ کے یہاں قدر و قیمت ہے اگرچہ وہ فسق و فجور کے ساتھ ملا ہوا ہو، اسی واسطے فاسق و فاجر مومن بھی ایک نہ ایک وقت بخش دیا جائیگا، پس ہمیں چاہئے کہ جس میں اسلام ادنیٰ درجہ میں بھی موجود ہو اس کی بھی نسبتِ اسلام کی قدر کریں اور اس کو اپنا دینی بھائی سمجھیں، اور اسی حیثیت سے اس سے معاملہ کریں، اور اس کے اندر جو فسق و عصیاں موجود ہو اس کے لئے اپنے آپ کو بھی ذمہ دار گردانیں، کہ ہماری غفلت کا بھی اس میں دخل ہے اور دین کی کوشش نہ کرنے ہی کا یہ نتیجہ ہے"۔

(۹۰)

فرمایا "ہمارا کام دین کا بنیادی کام ہے، اور ہماری تحریک درحقیقت ایمان کی تحریک ہے آجکل عام طور سے جو اجتماعی کام ہوتے ہیں ان کے کرنے والے ایمان کی بنیاد کو قائم فرض کر کے اُمّت کی اوپر کی تعمیر کرتے ہیں اور اوپر کے درجہ کی ضروریات کی فکر کرتے ہیں، اور ہمارے نزدیک امّت کی اوّل ضرورت یہی ہے کہ ان کے قلوب میں پہلے صحیح ایمان کی روشنی پہونچ جائے۔"

(۹۱)

فرمایا "ہمارے نزدیک اس وقت امّت کی اصل بیماری دین کی طلب و قدر سے ان کے دلوں کا خالی ہونا ہے، اگر دین کی فکر و طلب ان کے اندر پیدا ہو جائے، اور دین کی اہمیّت کا شعور و احساس ان کے اندر زندہ ہو جائے تو ان کی اسلامیّت دیکھتے دیکھتے سرسبز ہو جائے، ہماری اس تحریک کا اصل مقصد اس وقت بس دین کی طلب و قدر پیدا کر نیکی کوشش کرنا ہے نہ کہ صرف کلمہ اور نماز وغیرہ کی تصحیح و تلقین۔"

(۹۲)

فرمایا "ہمارے طریقۂ کار میں دین کے واسطے جماعتوں کی شکل میں گھروں سے دور نکلنے کو بہت زیادہ اہمیّت ہے، اس کا خاص فائدہ یہ ہے۔

کہ آدمی اس کے ذریعہ اپنے دائمی اور جامد ماحول سے نکل کر ایک نئے صالح اور متحرک ماحول میں آجاتا ہے جس میں اس کے دینی جذبات کے نشوونما کا بہت کچھ سامان ہوتا ہے۔ نیز اس سفر و ہجرت کی وجہ سے جو طرح طرح کی تکلیفیں مشقتیں پیش آتی ہیں اور در بدر پھرنے میں جو ذلتیں اللہ کے لئے برداشت کرنی ہوتی ہیں انکی وجہ سے اللہ کی رحمت خاص طور سے متوجہ ہو جاتی ہے

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

اسی واسطے اس سفر و ہجرت کا زمانہ جس قدر طویل ہوگا اسی قدر مفید ہوگا۔"

۹۳

فرمایا "یہ سفر غزوات ہی کے سفر کے خصائص اپنے اندر رکھتا ہے اور اس لئے امید بھی ویسے ہی اجر کی ہے یہ اگرچہ قتال نہیں ہے مگر جہاد ہی کا ایک فرد ضرور ہے جو بعض حیثیات سے اگرچہ قتال سے کمتر ہے لیکن بعض حیثیات سے اس سے بھی اعلیٰ ہے مثلاً قتال میں شفاءِ غیظ اور اطفاءِ شعلۂ غضب کی صورت بھی ہے، اور یہاں اللہ کے لئے صرف کظمِ غیظ ہے، اور اس کے دین کیلئے لوگوں کے قدموں میں پڑ کے اور انکی منتیں خوشامدیں کر کے بس ذلیل ہونا ہے۔"

۹۴

فرمایا "یہ تحریک درحقیقت اپنے لئے بہت بڑے درجہ کی ریاضت ہے،۔ افسوس! لوگ اس کی حقیقت کو سمجھتے نہیں"۔

۹۵

فرمایا "جو لوگ ہماری اس تبلیغ کا کام اور طریقہ سیکھنے کیلئے نظام الدین آنا چاہیں انکو یہ چند باتیں ضرور پہلے ہی سے اچھی طرح ذہن نشین کرادی جائیں:

(الف) زیادہ سے زیادہ وقت نکال کے آئیں۔

(ب) ایک دو ہی دفعہ کی آمد کو کافی نہ سمجھیں بلکہ آتے رہا کریں۔

(ج) یہ ارادہ کر کے آئیں کہ "نظام الدین" میں پڑا رہنا نہیں ہوگا بلکہ ہدایت کیمطابق جا بجا پھرنا ہوگا، ہاں اس اثناء میں کبھی کبھی نظام الدین رہنا بھی ہوگا۔

(د) یہ بھی اچھی طرح ان کے ذہن نشین کرا دیا جائے کہ جس وقت انکے کچھ رفقاء واپسی کا ارادہ کرنے لگیں اور انکی دیکھا دیکھی ان کے دلوں میں بھی واپسی کی خواہش پیدا ہونے لگے تو ایسے وقت میں اپنی خواہش پر نہ چلنے اور ہمت و عزیمت کے ساتھ کام میں لگے رہنے کا اجر بے حد و حساب ہے اور ان واپس نہ ہونیوالے اصحاب عزیمت کی مثال اُن مجاہدین فی سبیل اللہ کی سی ہے جو ایسے وقت میں میدان جہاد میں ڈٹے رہیں جبکہ اُن کے دائیں بائیں کے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ہوں۔

(ہ) یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس راہ میں بہت سے مکارہ (تکالیف و مصائب اور خلافِ مزاج امور) پیش آئیں گے، اور آخرت میں اجر ان مکارہ ہی کی نسبت سے ملے گا۔"

قسط نمبر ۶

۹۶

فرمایا "کبھی کبھی بیٹھ کر یہ سوچنا چاہیئے کہ ہمارا اثر و رسوخ کہاں کہاں ہے، اور کہاں کہاں ہماری دینی کوششیں نتیجہ خیز ہو سکتی ہیں ——— پھر غور کرنا چاہیئے کہ وہاں اس دینی دعوت کے پھیلانے کی تدابیر کیا ہیں، اور کیا راستہ ہمیں اختیار کرنا چاہیئے، اور وہاں ہمارا نظامِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔ پھر اُسی سوچے ہوئے نقشہ کے مطابق متوکّلاً علی اللہ کام شروع کر دینا چاہیئے"۔

۹۷

فرمایا "جن جن حضرات کے متعلّق یہ اندازہ ہو کہ ہم ان کو اس دینی کام کی طرف بغیر اس کے متوجّہ نہیں کر سکتے کہ پہلے ایک عرصہ تک انکی خدمت کر کے انکے مزاج سے قرب اور مناسبت پیدا کریں تو پھر پہلے انکی خدمت ہی کرنا چاہیئے لیکن اس خدمت میں بھی اللہ کے کام میں انکو لگانے ہی کی نیّت

رکھنا چاہئے اور امید کے ساتھ اللہ سے دعائیں بھی کرتے رہنا چاہئے۔"

(۹۸)

فرمایا "بعض حضرات کو ہماری اس دعوتِ ایمان کی گہرائیاں معلوم نہ ہونیکی وجہ سے اس سے لگاؤ نہیں ہے، اور اس کے بجائے دین کے بعض اُن احکام و مسائل کی ترویج کی کوشش کو زیادہ اہم سمجھتے ہیں جن میں مسلمانوں سے کوتاہیاں ہو رہی ہیں مثلاً ..... صاحب اور ان کے اہلِ حلقہ کی نظر میں خاص طور سے شریعت کے فلاں فلاں خاص احکام کی ترویج اور رسومِ بد کی اصلاح بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے، تو ایسے حضرات کے ساتھ طریقۂ عمل یہ ہونا چاہئے کہ میوات میں ان احکام و مسائل کی کوشش اور اصلاحِ رسوم کی سعی کے واسطے ہی ان کو اٹھایا جائے، ابھی تک میوات میں ترکہ کی تقسیم کے بارہ میں بھی بڑی کوتاہی ہے، شریعت کے مطابق ترکہ تقسیم کرنیکا رواج بہت کم ہو سکا ہے، ایسے ہی اور بھی بہت سی بُری رسمیں ابھی رائج ہیں، مثلاً ابھی تک گوتھ میں شادی کرنیکا رواج نہیں ہوا ہے ــــــ تو ..... صاحب اور ان کے متبعین کو میوات میں انہی احکام کے پھیلانے کے واسطے اٹھایا جائے اور ان کو یہ بتلایا جائے کہ یہ میواتی لوگ اس تبلیغی دعوت سے ایک درجہ میں مانوس ہو چکے ہیں اور کسی درجہ میں اس کو اپنا چکے ہیں، پس اگر آپ اُن کے اس تبلیغی کام کی

تھوڑی سی بھی سرپرستی فرمائیں گے تو پھر انشاء اللہ آپکے ان مخصوص اصلاحی مقاصد اور اصلاحِ رسوم کے کام میں ان سے آپ کو بہت مدد ملے گی، اور انکے ذریعہ آپ میوات میں ان احکام ومسائل کی ترویج اور رسوماتِ جاہلیّت کی اصلاح کا کام آسانی سے کر سکیں گے۔

اس طرح ان حضرات کو تمھاری تبلیغی مہم کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھنے اور اس کے اثرات ونتائج کا مشاہدہ کرنے کا بھی موقع مل جائے گا اور پھر انشاء اللہ ان کو اس طرف بھی توجّہ ہو جائے گی۔"

(۹۹)

فرمایا۔"میں اگر کسی طبیب کو بھی علاج کے لئے بلاتا ہوں تو در اصل تبلیغی کام کو پیشِ نظر رکھ کر بلاتا ہوں، اور اس سے اپنا علاج کرانے کو اس کو اللہ کے کام میں لگانے کا بہانا بنانا چاہتا ہوں، اس لئے صرف انہی اطبأ کو بلانے کی اجازت دیتا ہوں جن سے اس دینی دعوت کے سلسلہ میں کوئی توقع اور گنجائش ہو۔"

(۱۰۰)

فرمایا۔"میں اپنی صحّت اور بقاءِ حیات کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھنا تو جائز سمجھتا ہوں لیکن اس دینی کام کے قیام و بقاء پر زندگی کے بقاء کے خیال کو مقدّم نہیں سمجھتا۔"

(۱۰۱)

فرمایا۔ "ہماری اس دعوتِ تبلیغ کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ خطابِ عام میں تو سختی برتی جائے لیکن خطابِ خاص میں انتہائی نرمی، بلکہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کی اصلاح کے لئے خطاب عام ہی کیا جائے، حتیٰ کہ اگر اپنے کسی خاص ساتھی کی کوئی غلطی دیکھی جائے تو حتیٰ الوسع اُس کی اصلاح کی کوشش بھی خطاب عام ہی کے ضمن میں کی جائے۔ یہی حضورؐ کا عام طریقہ تھا، کہ خاص لوگوں کی غلطیوں پر تنبیہ بھی آپؐ "ما بال اقوام" کے عمومی عنوان سے فرماتے تھے ـــــ اور اگر خطابِ خاص ہی کی ضرورت سمجھی جاوے تو علاوہ محبّت اور نرمی کے اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ فوراً اس کو نہ ٹوکا جائے، ایسی صورت میں اکثر لوگوں کا نفس جواب دہی اور حجت بازی پر آمادہ ہو جاتا ہے، لہٰذا اس وقت کو تو ٹال دیا جائے، پھر دوسرے مناسب وقت میں خلوص و محبّت کے ساتھ اس کی غلطی پر اس کو متنبہ کیا جائے۔"

(۱۰۲)

فرمایا۔ "اپنی اس تحریک کے ذریعہ ہم ہر جگہ کے علماء و اہلِ دین، اور دنیاداروں میں میل و ملاپ اور صلح و آشتی بھی کرانا چاہتے ہیں، نیز خود علماء اور اہلِ دین کے مختلف حلقوں میں اُلفت و محبّت اور تعاون و یگانگت کا پیدا کرنا اس سلسلہ میں ہمارے پیشِ نظر، بلکہ ہمارا اہم مقصد ہے، اور یہ دینی دعوت

ہی انشاء اللہ اس کا ذریعہ و وسیلہ بنے گی، افراد اور جماعتوں میں اختلافات اغراض ہی کے اختلاف سے تو پیدا ہوتے اور ترقی کرتے ہیں، ہم مسلمانوں کے تمام گروہوں کو دین کے کام میں لگانے اور خدمتِ دین کو ان کا سب سے اعلیٰ مقصود بنا نیکی اس طرح کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے جذبات اور طریق عمل میں موافقت ہو جائے، صرف یہی چیز نفرتوں کو محبتوں سے بدل سکتی ہے ـــــ دو شخصوں میں صلح کرانے کا ذرا سوچو کہ کتنا بڑا اجر ہے، پھر امت کے مختلف طبقوں اور گروہوں میں مصالحت کی کوشش کا جو اجر ہوگا اس کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔"

(۱۰۳)

فرمایا۔ "ہمارے اس کام کو سمجھنے اور سیکھنے کے لئے صحیح ترتیب یہ ہے کہ پہلے یہاں آکر چند روز قیام کیا جائے، اور یہاں کے رہنے والوں (تبلیغ کے پرانے کارکنوں) سے باتیں کی جائیں، اور صرف میری ملاقات اور مجھ سے ہی باتیں کرنے کے درپے نہ ہوا جائے، ہاں جس وقت میں خود کچھ کہوں اسکو سن لیا جائے، اور یہاں کے اردگرد کام کرنے کے لئے بھی نکلا جائے یعنی روزمرہ کے گشت میں شرکت کی جائے، پھر کچھ دنوں کے لئے میوات جاکر کام کی مشق کی جائے، اس کے بعد اپنی جگہ پر جاکر کام کیا جائے۔"

(۱۰۴)

"ایک ضرورت یہ ہے کہ تبلیغ سے تعلق رکھنے والوں کا یہاں ایسا مخلوط مجمع رہے جس میں ہر طبقہ اور ہر طرح کے لوگ ہوں، علماء بھی ہوں، اہل الذکر بھی ہوں، انگریزی تعلیمیافتہ بھی ہوں، تاجر بھی ہوں، غریب عوام بھی ہوں اس سے ہمارے طریقۂ کار کے سمجھنے اور عملاً اس پر قابو پانے میں بڑی مدد ملے گی، اور ہم جو مختلف طبقات کا باہم اختلاط اور تعاون چاہتے ہیں اسکی بنیاد بھی انشاء اللہ اس سے پڑ جائے گی۔"

(۱۰۵)

"ہماری اس تحریک میں تصحیح نیت کے اہتمام کی بڑی اہمیت ہے ہمارے کام کرنیوالوں کے پیش نظر بس اللہ کے حکم کی اطاعت اور اسکی رضا جوئی ہونی چاہیے جس قدر یہ پہلو خالص اور قوی ہوگا اسی قدر اجر زیادہ ملے گا۔ اسی لئے یہ عام قانون ہے کہ جب دین کے لئے قربانیاں کرنے کے مصالح اور منافع کھل کر آنکھوں کے سامنے آجائیں تو اجر گھٹ جاتا ہے کیونکہ پھر قدرتی طور پر وہ مصالح بھی فی الجملہ مقصود ہو جاتے ہیں۔ دیکھو فتح مکہ سے پہلے جانی اور مالی قربانیوں کا جو اجر تھا بعد میں وہ نہیں رہا، کیونکہ مکہ فتح ہو جانیکے بعد غلبہ اور حکومت کی صورت نظروں کے سامنے آگئی۔ (لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً"

مِنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ؕ وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی ؕ)

(۱۰۶)

دعوتِ تبلیغ کے سلسلہ میں شروعِ تحریک سے کام کرنیوالے دو مخلص میواتیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک دن آپ نے فرمایا۔" اس تبلیغی کام کی نسبت بوجہ دعوت میری طرف ہو گئی ہے، ورنہ دراصل اس کے کرنے والے یہ لوگ ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ اس کام ہی کی وجہ سے مجھ سے محبّت رکھتے ہیں وہ ان لوگوں کی طرف اپنی محبّتوں کا رُخ کریں، اگرچہ اس کے واسطے انھیں اپنے دلوں پر جبر کرنا پڑے، ان سے محبّت اور ان کی خدمت قبولیت کا ذریعہ ہے۔"

(۱۰۷)

اسی سلسلہ میں فرمایا۔" ان لوگوں کے مجھ پر بڑے حقوق ہیں، میں ان کے حقوق ادا نہیں کر سکتا ہوں، میرے اہلِ محبّت انکے حقوق کو پہچانیں۔"

(۱۰۸)

فرمایا۔" دین کی جدوجہد میں مخلصین اور صادقین کا حصّہ بس اللہ ورسول صلعم اور انکی رضا کا حصول ہوتا ہے، اور فتوحات اور مال و دولت جب ہاتھ آئے اس میں ضعفاء اور مؤلفۃ القلوب کا پہلے خیال کیا جاتا ہے، اسی اصول پر میں کہتا ہوں کہ جن لوگوں نے ہمارے کام کی حقیقت کو ابھی نہیں

سمجھا ہے اور اس لئے انھیں اس سے لگاؤ پیدا نہیں ہوا ہے ان کو بلایا جائے تو ان کے کرایہ کی بھی فکر کی جائے، اور ان کی خدمت اور مدارات کا بھی اپنے امکان بھر اہتمام کیا جائے، اور جو مخلصین کام کی حقیقت کو سمجھ کر اس میں لگ گئے ہیں ان کے لئے ان چیزوں کی فکر نہ اٹھائی جائے۔"

(۱۰۹)

فرمایا۔" آجکل دین کے باب میں یہ غلط فہمی نہایت عام ہو گئی ہے کہ مبادی کو غایات کا اور ذرائع کو مقاصد کا درجہ دیدیا جاتا ہے، اگر غور کرو گے تو معلوم ہو گا کہ دین کے تمام شعبوں میں یہ غلطی گھس گئی ہے اور ہزاروں خرابیوں کی یہ جڑ ہے۔"

(۱۱۰)

فرمایا۔" اِنَّ لِلسَّائِلِ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنْ جَاءَ عَلٰی فَرَسٍ[1] کا مطلب سمجھنے میں عام طور سے ایک مغالطہ ہوتا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ سائل خواہ کیسا ہی اور کسی حال کا ہو اس کو اس کا مسئول (یعنی جو وہ مانگے دینا ہی چاہئے) حالانکہ یہ غلط ہے، بلکہ حدیث کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ مناسب اور خیر خواہانہ و ہمدردانہ معاملہ کرو، تکبر اور تحقیر کے ساتھ پیش نہ آؤ۔

---

[1] یہ ایک حدیث ہے اسکا ترجمہ یہ ہے کہ "سائل کا تم پر حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے" ۱۲

(وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ) اب یہ خیر خواہی کبھی اس طرح ہوگی کہ اس کی مانگ پوری کردی جائے، اور کبھی خیر اندیشی و ہمدردی کا تقاضہ یہ ہوگا کہ اس کو سوال کی ذلت سے بچنے کی نصیحت کی جائے اور معیشت کی کسی مناسب تدبیر کی طرف اس کی رہنمائی کی جائے، اور اس میں حسب موقع اس کو سہولت پہونچائی جائے، جیسا کہ رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے بعض سائلوں کے ساتھ کیا۔ کہ "ان کے کھانے کا پیالہ تک نیلام کرکے اس کی قیمت سے کلہاڑی خرید دی" اور" فرمایا کہ "جنگل سے لکڑیاں کاٹ کے لاؤ اور بیچو اور اپنا گزارا کرو"۔ پس اگر سائل معذور و مجبور نہیں ہے، بلکہ ایسا ہے جو اپنے گذارے کے لئے کچھ کر دھر سکتا ہے تو اس کا حق یہی ہے کہ حکمت کے ساتھ اس کو سوال سے بچایا جائے اور کسی کام سے لگانے کی کوشش کی جائے —— اسی سلسلہ میں فرمایا:

"نصوص کے معنی اگر حضورؐ کے طریقِ عمل کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کبھی انشاء اللہ غلط فہمی نہ ہو"۔

قسط نمبر ۷

(۱۱۱)

فرمایا" انبیاء (علیہم السّلام) باوجودیکہ معصوم اور محفوظ ہیں اور علوم وہدایات براہِ راست حق تعالیٰ سے حاصل کرتے ہیں، لیکن جب ان تعلیمات وہدایات کی تبلیغ میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنا جلنا اور ان کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو ان کے مبارک اور منوّر قلوب پر بھی اُن عوام النّاس کی کدورتوں کا اثر پڑتا ہے[۱]، اور پھر تنہائی کے ذکر وعبادت کے ذریعہ

---

[۱] مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس خیال کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صبح کی نماز میں متشابہ لگا تو بعد فراغ نماز آپؐ نے فرمایا:۔
"مقتدیوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جو وضو وطہارت اچھّی طرح نہیں کرتے ہیں، انہی کے اثر سے ہماری قرأت میں گڑبڑ پڑتی ہے۔" (مشکوٰۃ، کتاب الطہارۃ)

وہ اس گرد و غبار کو دھوتے ہیں۔ (فرمایا) سورۂ مزمل میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قیام لیل (تہجد) کا حکم دیتے ہوئے یہ جو فرمایا گیا ہے کہ "اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا" (اے رسولؐ! دن میں تم کو بہت چلنا پھرنا رہتا ہے) تو اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی دن کی دوڑ دھوپ اور چلت پھرت کی وجہ سے رات کی اندھیری اور تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ عبادت کی ضرورت تھی، پھر اس آیت سے اگلی آیت میں جو متصلاً فرمایا گیا "وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا" (اور اپنے رب کے نام کی یاد کر اور یکسوئی سے ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو) تو اس سے بھی اس مضمون کی مزید تائید ہوتی ہے، کہ تبلیغی دوڑ دھوپ کرنیوالوں کو ذکر و فکر اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت کی خصوصیت سے ضرورت ہوتی ہے۔

پس ہم کو بھی اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے ___ بلکہ ہم اس کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ اوّلاً تو ہم خود کچے اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے ہیں پھر اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اور ہدایات حاصل کرتے ہیں وہ بھی ہماری ہی طرح غیر معصوم ہیں، اور جن میں تبلیغ کے لئے جاتے ہیں وہ بھی عام انسان ہی ہیں۔ غرض ہم میں خود بھی کدورتیں ہیں اور ہمارے دونوں جانب بھی بشری کدورتیں ہیں جنکا ہم پر اثر پڑنا لازمی اور فطری ہے۔

اس لئے ہم اس کے بہت ہی زیادہ محتاج ہیں کہ رات کی اندھیریوں اور تنہائیوں میں اللہ کے ذکر و عبادت کا اہتمام اور التزام کریں، قلب پر پڑے ہوئے بُرے اثرات کا یہ خاص علاج ہے۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا۔" یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے جن بڑوں سے ہم دینی فیوض اخذ کریں ان سے اپنا تعلق صرف اللہ کی جانب کا رکھیں، اور صرف اسی لائن کے ان کے اقوال و افعال اور احوال سے سروکار رکھیں، باقی دوسری لائنوں کی ان کی ذاتی اور خانگی باتوں سے بے تعلق بلکہ بیخبر رہنے کی کوشش کریں، کیونکہ یہ ان کا اپنا بشری حصّہ ہے، لامحالہ اس میں کچھ کدورتیں ہوں گی، اور جب آدمی اپنی توجّہ ان کی طرف کو چلا دے گا تو وہ اس کے اندر بھی آئیں گی، نیز بسا اوقات اعتراض پیدا ہوگا جو بُعد اور محرومی کا باعث ہو جائے گا، اسی لئے مشائخ کی کتابوں میں سالک کو شیخ کے خانگی احوال پر نظر نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔"

(۱۱۲)

فرمایا۔" اہلِ علم اور اہلِ اثر حضرات ایک سلسلہ یہ شروع کریں کہ ہر جمعہ کے لئے پہلے سے سوچ کر طے کر لیا کریں کہ ہم یہ جمعہ فلاں محلّہ کی مسجد میں پڑھیں گے اور اس انتخاب میں غریب پسماندہ اور جہل زدہ آبادیوں کا زیادہ لحاظ رکھیں، مثلاً جن حلقوں میں دھوبی، سقّے، تانگہ گاڑی چلانیوالے

قلی اور سبزی فروش جیسے لوگ بستے ہوں، (جن میں دین سے جہالت اور غفلت اگرچہ بہت زیادہ ہے لیکن تمرّد اور انکار کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی ہے) تو ایسے لوگوں کی کسی آبادی کی مسجد پہلے سے تجویز کر لیں، اور اپنے اہل تعلق اور ملنے جلنے والے لوگوں کو بھی اس کی اطلاع دیدیں، اور ساتھ چلنے کی بھی انھیں ترغیب دیں، پھر وہاں پہونچ کر نماز جمعہ سے پہلے محلہ میں تبلیغی گشت کر کے لوگوں کو نماز کے لئے آمادہ کر کے مسجد میں لائیں، پھر تھوڑی دیر کے لئے انھیں روک کر دین کی اہمیت اور اس کے سیکھنے کی ضرورت ان کو سمجھا کر دین سیکھنے کے واسطے تبلیغی جماعتوں میں نکلنے کی دعوت دیں اور ان کو سمجھائیں کہ اس طریقہ پر وہ چند روز میں دین کا ضروری علم و عمل سیکھ سکتے ہیں، پھر اس دعوت پر اگر تھوڑے سے تھوڑے بھی آدمی تیار ہو جائیں تو کسی مناسب جماعت کے ساتھ ان کو بھیجنے کا بندوبست کریں "۔

۱۱۳

اسی سلسلہ میں فرمایا "اگر کسی جگہ کے کچھ غرباء تبلیغی جماعت کیساتھ نکلنے پر آمادہ ہو جائیں اور خرچ سے لاچار ہوں تو کوشش کر کے حتی الوسع انہی کے ماحول سے کچھ امراء کو بھی اُن کے ساتھ کے لئے اٹھایا جائے، اور انھیں یہ بھی بتایا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے غرباء اور ضعفاء کی امداد کا

اللہ کے یہاں کیا درجہ ہے، لیکن ساتھ ہی پوری اہمیت سے یہ بات بھی اُن کے ذہن نشین کی جائے کہ اگر وہ اپنے کسی غریب ساتھی کی مدد کرنا چاہیں، تو اس کے اصول اور اس کا طریقہ اس راہ کے پُرانے تجربہ کار کارکنوں سے ضرور معلوم کریں، اور ان کے مشورہ سے ہی یہ کام کریں، خلاف اصول اور غلط طریقہ پر کسی کی مدد کرنے سے بسا اوقات بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔"

(پھر اس انفاق (یعنی دین کے لئے نکلنے والے غریب اور غیر مستطیع لوگوں پر خرچ کرنے) کے مندرجہ ذیل یہ چند اصول حضرت مولاناؒ نے بیان فرمائے اور غالباً اس عاجز سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کو لکھ لو):

(الف) غیر مستطیعین کو اس طرح حکمت سے دیا جائے کہ وہ اس کو کوئی مستقل سلسلہ نہ سمجھنے لگیں، اور ان میں اشراف پیدا نہ ہونے پائے۔

(ب) دینا "تالیف" کے لئے ہو (یعنی دین سے مناسبت اور انس پیدا کرنے کے واسطے ہو) لہٰذا صرف بقدرِ ضرورتِ تالیف ہی ہو، پھر جیسے جیسے ان میں دین کی قدر و طلب اور اس کام سے انس و مناسبت بڑھتی جائے اسی قدر مالی امداد سے ہاتھ کھینچا جائے، اور صحبت و گفتگوؤں وغیرہ کے ذریعہ یہ جذبہ اُن میں پیدا کیا جائے کہ وہ محنت اور

مزدوری کر کر کے یہ کام کریں، یا جس طرح اپنی اور ضرورتوں کے لئے قرض لیتے ہیں اس کو بھی ایک اہم ضرورت سمجھتے ہوئے حسبِ موقع اس کے لئے قرض لیں، اس راہ میں غیر کا ممنون نہ ہونا "عزیمت" ہے، ہجرت کیوقت صدّیق اکبر رضؓ جیسے فدائی نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اونٹنی پیش کی تھی، تو حضور ؐ نے قیمت طے کر کے قرض لی۔

لیکن جب تک رغبت کا یہ درجہ اور یہ جذبہ و ذائقہ پیدا نہ ہو اس وقت تک بقدرِ مناسب ان کی مالی مدد کی جاتی رہے۔

(ج) مالی امداد کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نہایت مخفی طور پر اور عزت و احترام کے ساتھ دیا جائے، اور دینے والے امراء خدمتِ دین میں مشغول غرباء کے قبول کر لینے کو ان کا احسان سمجھیں، اور انکو اپنے سے افضل سمجھیں کہ باوجود غربت و عسرت کے وہ دین کے لئے گھر سے نکلے ہیں، دین کے لئے گھر سے نکلنا صفتِ ہجرت ہے اور ان کی مدد کرنا صفتِ نصرت ہے اور "انصار" کبھی "مہاجرین" کے برابر نہیں ہو سکتے۔

(د) اس راہ میں کام کرنیوالوں کی مدد زکوٰۃ وصدقات سے زیادہ ہدیہ کی صورت میں کی جاوے، زکوٰۃ وصدقات کی مثال ہانڈی کے میل کچیل اور اجزاءِ ردیّہ کی سی ہے کہ اس کو نکالنا ضروری ہے، ورنہ ساری ہنڈیا خراب رہیگی، اور ہدیہ کی مثال ایسے سمجھو جیسے کہ تیار

کھانے میں خوشبو ڈالی جائے، اور اُس پر چاندی سونے کے ورق لگادیے جائیں۔

(ہ) دین کے لئے گھر سے نکلنے والوں کی مدد کی ایک اعلیٰ صورت یہ بھی ہے کہ ان کے گھر والوں کے پاس جاکر ان کے سودا سلف اور انکی ضرورتوں کی فکر کریں، اور ان کو آرام پہونچانے کی کوشش کریں اور انھیں بتائیں کہ تمھارے گھر کے لوگ کیسے عظیم الشان کام میں نکلے ہوئے ہیں، اور وہ کس قدر خوش نصیب ہیں، غرض یہ کہ خدمت اور ترغیب سے ان کو اتنا مطمئن کریں کہ وہ خود اپنے گھر کے نکلے ہوئے لوگوں کو لکھیں کہ "ہم لوگ یہاں ہر طرح آرام سے ہیں، تم اطمینان کے ساتھ دین کے کام میں لگے رہو"

(و) مالی مدد کے سلسلہ میں تفقدِ احوال کی بھی ضرورت ہے (یعنی دین کے کام میں لگے رہنے والوں کے حالات پر غور کرے، اور بالا بالا ٹوہ لگائے کہ انکی کیا ضروریات ہیں، اور ان کی گذر بسر کیسی ہے)۔

(ز) تفقدِ احوال کی ایک صورت جس کو خاص طور سے رواج دینا چاہیئے یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنی مستورات کو دین کے واسطے نکلنے والے غرباء کے گھروں میں بھیجا کریں، اس سے ان غرباء کے اہلِ خانہ کی دلداری اور حوصلہ افزائی بھی ہوگی اور ان کے اندرونی حالات کا بھی کچھ علم ہوگا۔

۱۱۴

اسی سلسلہ میں فرمایا" انفاق فی سبیل اللہ (راہِ خدا میں خرچ کرنے) پر نصوص میں دینی برکات کا جو وعدہ دیا گیا ہے وہ اس کا "اجر" نہیں ہے، نیکیوں کے اصل اجر کا تو یہ عالم تحمل ہی نہیں کر سکتا، وہاں کی خصوصی نعمتوں کی برداشت یہاں کہاں، اس دنیا میں تو پہاڑ جیسی سخت مخلوق، اور حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) جیسے جلیل القدر پیغمبر بھی ایک تجلّی کی تاب نہ لا سکے، فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔"

فرمایا "جنّت کی نعمتیں اگر یہاں بھیج دی جائیں تو خوشی سے موت واقع ہو جائے، یہی حال وہاں کے عذاب کا ہے اگر دوزخ کا ایک بچھّو اس دنیا کی طرف رُخ کرے تو یہ ساری دُنیا اس کے زہر کی تیزی سے سوختہ ہو جائے۔"

۱۱۵

اسی سلسلہ میں فرمایا" راہِ خدا میں خرچ کرنے والوں کی مثال قرآن پاک میں جو اس شخص سے دی گئی ہے جس نے ایک دانہ بویا، اور اس سے سات سو دانے پیدا ہوئے مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔" تو یہ تمثیل

دنیوی برکات ہی کی ہے آخرت میں اس انفاق کا جو اجر ملے گا وہ تو بہت ہی وراء الوراء ہوگا، اور اس کی طرف اشارہ اس سے اگلی آیت میں ہے "اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝" اس میں "لَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ" کا اشارہ اسی اصلی اجر کی طرف ہے، جو موت کے بعد عالمِ آخرت میں ملنے والا ہے۔"

(۱۱۶)

اسی سلسلہ میں فرمایا" اصل تو یہی ہے کہ رضائے الٰہی اور اجرِ اُخروی ہی کے لئے دینی کام کیا جائے، لیکن ترغیب میں حسبِ موقع دنیوی برکات کا بھی ذکر کرنا چاہیے۔ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ابتداءً دنیوی برکات ہی کی امید پر کام میں لگتے ہیں، اور پھر اسی کام کی برکت سے اللہ تعالیٰ انھیں حقیقی اخلاص بھی عطا فرما دیتا ہے۔"

فرمایا۔" دنیوی برکات ہمارے لئے موعود ہیں، ان کو مقصود اور مطلوب نہیں بنانا چاہیئے، لیکن اُن کے لئے دعائیں خوب کرنا چاہئیں اللہ کی طرف سے آنے والی ہر نعمت کا بندہ بہت زیادہ محتاج ہے۔"

(رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ ۝)

*

فرمایا "اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں بلاشبہ وہ بالکل یقینی ہیں، اور آدمی اپنی سمجھ بوجھ اور اپنے تجربات کی روشنی میں جو کچھ سوچتا ہے اور جو منصوبے قائم کرتا ہے وہ محض ظنّی اور وہمی باتیں ہیں، مگر آج کا عام حال یہ ہے کہ اپنے ذہنی منصوبوں اور اپنے تجویز کئے ہوئے وسائل و اسباب اور اپنی سوچی ہوئی تدابیر پر یقین و اعتماد کر کے لوگ ان کے مطابق جتنی محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں اللہ کے وعدوں کی شرطیں پوری کر کے ان کا مستحق بننے کے لئے اتنا نہیں کرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے خیالی اسباب پر ان کو جتنا اعتماد ہے اتنا اللہ کے وعدوں پر نہیں ہے اور یہ حال صرف ہمارے عوام ہی کا نہیں ہے بلکہ سب ہی عوام و خواص اِلَّا مَن شَاءَ اللہ الٰہی وعدوں والے یقینی اور روشن راستہ کو چھوڑ کر اپنی ظنّی اور وہمی تدبیروں ہی میں اُلجھے ہوئے ہیں، پس ہماری اس تحریک کا خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے اس اصولی اور بنیادی خرابی کو نکالنے کی کوشش کی جائے، اور ان کی زندگیوں اور سرگرمیوں کو ظنون و اوہام کی لائن کے بجائے الٰہی وعدوں کے یقینی راستے پر ڈالا جائے۔ انبیاء (علیہم السّلام) کا طریقہ یہی ہے اور انھوں نے اپنی امّتوں کو یہی دعوت دی ہے کہ وہ اللہ

کے وعدوں پر یقین کر کے اور بھروسہ کر کے ان کی شرطوں کے پورا کرنے میں اپنی ساری کوششیں صرف کر کے اُن کے مستحق بنیں۔ اللہ کے وعدوں کے بارے میں جیسا تمہارا الیقین ہوگا ویسا ہی تمہارے ساتھ اللہ کا معاملہ ہوگا، حدیث قدسی ہے۔ "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ"۔

(۱۱۸)

فرمایا:۔ "اس راہ میں کام کرنے کی صحیح ترتیب یوں ہے کہ جب کوئی قدم اٹھانا ہو، مثلاً خود تبلیغ کے لئے جانا ہو، یا تبلیغی قافلہ کہیں بھیجنا ہو، یا شکوک وشبہات رکھنے والے کسی شخص کو مطمئن کرنے کے لئے اُس سے مخاطب ہونے کا ارادہ ہو، تو سب سے پہلے اپنی نااہلیت اور بے بسی اور وسائل واسباب سے اپنی تہیدستی کا تصوّر کر کے اللہ کو حاضر و ناظر اور قادرِ مطلق یقین کرتے ہوئے پورے الحاح اور زاری کے ساتھ اس سے عرض کریں کہ خداوندا! تو نے بارہا بغیر اسباب کے بھی محض اپنی قدرتِ کاملہ سے بڑے بڑے

لہ حضرت مولاناؒ کا یہ ملفوظ بہت مختصر الفاظ میں تھا، عام ناظرین کو اس کا سمجھنا مشکل ہوتا تا چیز مرتب نے کسی قدر وضاحت اور تشریح کے ساتھ اپنی عبارت میں حضرتؒ کے مطلب کو ادا کیا ہے گویا اس ملفوظ کے الفاظ و عبارت کی ذمّہ داری خصوصیت سے اس عاجز پر ہے، اگرچہ اکثر دوسرے ملفوظات میں بھی توضیح اور تسہیل کے لئے تعبیر اور طرز ادا میں کچھ جزوی ردّو بدل کیا گیا ہے۔

کام کر دیے ہیں، الٰہی! بنی اسرائیل کے لئے تو نے محض اپنی قدرت ہی سے سمندر میں خشک راستہ پیدا کر دیا تھا، حضرت ابراہیم (علیہ السّلام) کے لئے تو نے اپنی رحمت اور قدرت ہی سے آگ کو گلزار بنا دیا تھا، اور اے اللہ تو نے اپنی حقیر حقیر مخلوقات سے بھی بڑے بڑے کام لے لئے ہیں، ابابیل سے تو نے ابرہہ کے ہاتھیوں والے لشکر کو شکست دلوائی اور اپنے گھر کی حفاظت کرائی، عرب کے اُونٹ چَرانے والے اُمّیوں سے تو نے اپنے دین کو ساری دنیا میں چمکایا، اور قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا، پس اے اللہ! اپنی اسی سنتِ قدیمہ کے مطابق مجھ نکمّے، ناکارہ اور عاجز و بے بس بندے سے بھی کام لے، اور میں تیرے دین کے جس کام کا ارادہ کر رہا ہوں اس کے لئے جو طریقہ تیرے نزدیک صحیح ہے مجھے اسکی طرف رہنمائی فرما، اور جن اسباب کی ضرورت ہو وہ محض اپنی قدرت سے مہیّا فرماوے۔

پس اللہ سے یہ دعاء مانگ کر پھر کام میں لگ جائے، جو اسباب اللہ کی طرف سے ملتے رہیں ان سے کام لیتا رہے، اور صرف اللہ ہی کی قدرت و نصرت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اپنی کوشش بھی بھرپور کرتا رہے اور رو رو کے اس سے نصرت اور "انجازِ وعدہ"[1] کی التجائیں بھی کرتا رہے

---

[1] وعدۂ قرآنی کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ" کی طرف اشارہ ہے ۱۲۔

بلکہ اللہ کی مدد ہی کو اصل سمجھے اور اپنی کوشش کو اس کے لئے شرط اور پردہ سمجھے"۔

(۱۱۹)

فرمایا۔ "خود کام کرنے سے بھی زیادہ توجہ اور محنت دوسروں کو اس کام میں لگانے اور انہیں کام سکھانے کے لئے کرنی چاہیئے، شیطان جب کسی کے متعلق یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ تو کام کے لئے کھڑا ہو ہی گیا، اور اب میرے بٹھلائے بیٹھنے والا نہیں تو پھر اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ یہ خود تو لگا رہے اور خوب لگا رہے مگر دوسروں کو لگانیکی کوشش نہ کرے اور اس لئے وہ اس پر راضی ہو جاتا ہے کہ یہ شخص اس کار خیر میں ہمہ تن اس قدر انہماک سے لگ جائے کہ دوسروں کو دعوت دینے اور لگانے کا اس کو ہوش ہی نہ ہو، پس شیطان کو شکست یونہی دی جاسکتی ہے کہ دوسروں کو اٹھانے اور انہیں کام پر لگانے اور کام سکھانے کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دی جائے، اور دعوت الی الخیر اور دلالت علی الخیر کے کام پر اجر و ثواب کے جو وعدے قرآن و حدیث میں فرمائے گئے ہیں ان کا تصور اور دھیان کرتے ہوئے اور ان پر یقین کرتے ہوئے اور اسی کو اپنی ترقی اور تقرب کا اعلیٰ ذریعہ سمجھتے ہوئے اس کے لئے کوشش کی جائے"۔

۱۲۰

فرمایا" دین میں ٹھیراؤ نہیں، یا تو آدمی دین میں ترقی کر رہا ہوتا ہے اور یا نیچے گرنے لگتا ہے، اس کی مثال یوں سمجھو کہ باغ کو جب پانی اور ہوا موافق ہو تو وہ سرسبزی اور شادابی میں ترقی ہی کرتا رہتا ہے، اور جب موسم ناموافق ہو یا پانی نہ ملے، تو ایسا نہیں ہوتا کہ وہ سرسبزی اور شادابی اپنی جگہ پر ٹھہری رہے، بلکہ اس میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے یہی حالت آدمی کے دین کی ہوتی ہے۔"

۱۲۱

فرمایا" لوگوں کو دین کی طرف لانے اور دین کے کام میں لگانے کی تدابیر سوچا کرو، (جیسے دنیا والے اپنے دنیاوی مقاصد کے لئے تدبیریں سوچتے رہتے ہیں) اور جس کو جس طرح سے متوجہ کر سکتے ہو اس کے ساتھ اسی راستے سے کوشش کرو۔ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔"

۱۲۲

فرمایا" طبیعت مایوسی کی طرف زیادہ چلتی ہے، کیونکہ مایوس ہو جانے کے بعد آدمی اپنے کو عمل کا ذمہ دار نہیں سمجھتا، اور پھر اُسے کچھ کرنا نہیں پڑتا، خوب سمجھ لو یہ نفس اور شیطان کا بڑا کید ہے۔"

(۱۲۳)

فرمایا" اسباب کی کمی پر نظر ڈال کر مایوس ہو جانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم اسباب پرست ہو، اور اللہ کے وعدوں اور اس کی غیبی طاقتوں پر تمھارا الیقین بہت کم ہے، اللہ پر اعتماد کر کے اور ہمّت کر کے اُٹھو تو اللہ ہی اسباب مہیّا کر دیتا ہے، ورنہ آدمی خود کیا کر سکتا ہے، مگر ہمّت اور اپنی استطاعت بھر جُہد شرط ہے"

قسط نمبر ۸

(۱۲۴)

(جو لوگ زندگی کے انفرادی معاملات یا اجتماعی امور میں یورپ کی مسیحی اقوام کے طور طریقوں کی تقلید کر رہے ہیں اور اسی کو اس زمانہ میں صحیح طریقۂ کار سمجھتے ہیں ان کے رویّہ پر رنج و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک صحبت میں فرمایا) :

"ذرا سوچو تو! جس قوم کے آسمانی علوم (یعنی حضرت مسیحؑ کے لائے ہوئے علوم) کا چراغ، علومِ محمدیؐ (قرآن و سنّت) کے سامنے گل ہو گیا، بلکہ منجانب اللہ منسوخ قرار دیدیا گیا، اور براہِ راست اس سے روشنی حاصل کرنے کی صاف ممانعت فرما دی گئی، اسی قوم کی اَہْواء و امانی (یعنی ان یوریپین مسیحی اقوام کے اپنے خود ساختہ نظریوں) کو اس حاملِ قرآن و سنّت امّتِ محمدیہ کا اختیار کر لینا اور اس کو صحیح طریقۂ کار

سمجھنا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا قبیح اور کس قدر موجب غضب ہوگا؟ اور عقلاً بھی یہ بات کتنی غلط ہے کہ محمدیؐ وحی کے محفوظ ہوتے ہوئے (جس میں زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی شعبوں کے متعلق کامل ہدایات موجود ہیں) عیسائی قوموں کے طور طریقوں کی پیروی کی جائے، کیا یہ علوم محمدیؐ کی سخت ناقدری نہیں ہے؟"

(۱۲۵)

فرمایا: "ہم جس دینی کام کی دعوت دیتے ہیں بظاہر تو یہ بڑا سادہ سا کام ہے، لیکن فی الحقیقت بڑا نازک ہے، کیونکہ یہاں مقصود صرف کرنا کرانا ہی نہیں ہے بلکہ اپنی سی کرکے اپنی عاجزی کا یقین اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و نصرت پر اعتماد پیدا کرنا ہے ——— سنّت اللہ یہی ہے کہ اگر اللہ کی مدد کے بھروسہ پر اپنی سی کوشش ہم کریں تو اللہ تعالیٰ ہماری کوشش اور حرکت ہی میں اپنی مدد کو شامل کر دیتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیت "وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ" میں اسی طرف اشارہ ہے، اپنے کو بالکل بیکار سمجھ کے بیٹھے رہنا تو "جبریت" ہے اور اپنی ہی قوت پر اعتماد کرنا "قدریت" ہے، (اور یہ دونوں گمراہیاں ہیں) اور صحیح اسلام ان دونوں کے درمیان ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جد و جہد اور کوشش کی جو حقیر سی قوت اور صلاحیت ہم کو بخش رکھی ہے، اللہ

کے حکم کی تعمیل میں اس کو تو ہم پورا پورا لگا دیں اور اس میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھیں، لیکن نتائج کے پیدا کرنے میں اپنے کو بالکل عاجز اور بے بس یقین کریں اور صرف اللہ تعالیٰ کی مدد ہی پر اعتماد کریں، اور صرف اسی کو کار فرما سمجھیں"۔ فرمایا۔ "اسوۂ نبویؐ سے اس کی پوری تفصیل معلوم کیجاسکتی ہے، مسلمانوں کو ہماری دعوت بس یہی ہے"۔

(۱۲۶)

فرمایا۔ "میں چاہتا ہوں کہ اب میوات میں فرائض (یعنی تقسیم میراث کے شرعی طریق) کو زندہ کرنے اور رواج دینے کی طرف خاص توجہ کی جائے اور اب جو تبلیغی دفود وہاں جائیں وہ فرائض کے باب کے وعدوں اور وعیدوں کو خوب یاد کر کے جائیں"۔

(۱۲۷)

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا "عمل کی کوتاہی پر خلود فی النار نہیں ہے بلکہ خلود ہے عدم یقین اور تکذیب پر"۔

(۱۲۸)

فرمایا۔ "ہر عمل کا جزو اخیر اعتراف تقصیر اور خشیۂ[۱] رد ہونا چاہیے (یعنی ہر نیک عمل کو اپنی طرف سے تو بہتر سے بہتر ادا کرنیکی کوشش

---

[۱] یعنی عمل کے قبول نہ ہونے کا خطرہ ۱۲

کرے لیکن پھر اس کے خاتمہ پر یہ احساس ہونا چاہیئے کہ جیسا اللہ تعالیٰ کا حق تھا اور جیسا کرنا چاہیئے تھا ویسا نہیں ہو سکا، اور اس کی بناء پر دل میں یہ خوف اور خطر ہونا چاہیئے کہ کہیں ہمارا یہ عمل ناقص اور خراب ہونے کی وجہ سے مردود قرار دے کر قیامت میں ہمارے منہ پر نہ مار دیا جائے اور پھر اسی احساس اور اسی خوف و خطر کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا جائے اور بار بار استغفار کیا جائے)"۔

(۱۲۹)

فرمایا: "اعتقادات کے بارے میں بھی اصول یہ ہے کہ اپنی طرف سے تو اعتقاد کو واثق اور مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کرے، اور اس کے خلاف وساوس کو بھی نہ آنے دے، لیکن پھر بھی ڈرتا ہے کہ کما حقہٗ یقین مجھے حاصل ہے یا نہیں"۔

فرمایا: "صحیح بخاری شریف میں ابن ابی مُلَیکہ کا جو یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ "لَقِیْتُ ثَلٰثِیْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ (صلی اللہ علیہ وسلم) کُلُّھُمْ یَخْشٰی عَلٰی نَفْسِہِ النِّفَاقَ[1]" (اَوْ کَمَا قَالَ) تو اسکی حقیقت یہی ہے"۔

فرمایا: "اعتقاد اور یقین کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ اللہ

---

[1] (ترجمہ) ابن ابی ملیکہ تابعی فرماتے ہیں کہ میں نے ۳۰ صحابیوں سے ملاقات کی، میں نے ان میں سے ہر ایک کو اپنے نفس کے بارہ میں نفاق سے ڈرتا ہوا پایا ۱۲ م

ورسولؐ نے جو کچھ فرمایا ہے، دل کی طرف سے ہیبت اور توقیر اور اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال ہو، اس صورت میں عمل بھی ہو گا اور عمل میں جان بھی ہو گی۔"

(۱۳۰)

ایک دینی مدرسہ کے ایک مشہور استاد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کے اللہ کی نظر سے گرنے اور پھر اسی کے نتیجہ میں دنیا کی نظروں سے بھی گر جانے کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اللہ ورسولؐ کے رشتہ سے جو تعلّقات ہیں اُن کی توقیر آپ لوگوں میں نہیں رہی اور دنیوی اور مادّی تعلّقات کے دباؤ کو آپ زیادہ قبول کرنے لگے، دیکھو! میرا تمھارا تعلّق صرف اللہ ورسولؐ کے واسطے ہے، میں نے تمھیں بلایا تم نہیں آئے، لیکن ...... کے ایک خط نے تمھیں بلا لیا (حالانکہ ان میں یہی بات تو زیادہ ہے کہ وہ دولتمند ہیں، اور ان سے اور ان کے اثر سے چندہ ملتا ہے) تو ہماری بنیادی بیماری ہے ــ اللہ ورسولؐ کے واسطے سے اور انکی طرف سے کہنے والوں کی نہ سننا اور نہ ماننا۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا: "میں اب میوات میں یہ بات پیدا کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے نزاعات کا فیصلہ اللہ و رسولؐ سے تعلق رکھنے والوں سے اور شریعت کے مطابق کرائیں، اور ان کا جذبہ یہ ہو کہ اللہ و

رسولؐ سے تعلّق رکھنے والوں کے فیصلے سے اگر آدھا بھی ملے تو وہ سراسر رحمت اور برکت ہے، اور خلافِ شریعت فیصلے کرنے والے سارا بھی دلوائیں تو وہ سراسر وبال اور بے برکت ہے۔"

فرمایا:۔ "قرآن مجید کی آیت "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝" کا مدعا یہی ہے، لیکن یہ بات ایک دم پیدا نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے اُن میں اللہ و رسولؐ کی اطاعت اور احکامِ شریعت کی پیروی کا شوق پیدا کیا جائے، اور اس چیز کو ان کی طبیعتوں پر غالب کیا جائے، اور پھر حکمت و تدریج کے ساتھ یہ بات ان میں پیدا کی جائے کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کی عملی صورت یہی ہے کہ اللہ و رسولؐ سے صحیح تعلّق رکھنے والے دین کی جو باتیں بتائیں اُن کو عظمت و توقیر سے مانا جائے اور ذوق و شوق سے ان پر عمل کیا جائے یہی طریقہ زندگیوں کے رُخ کو پلٹنے کا ہے۔"

(۱۳۱)

فرمایا:۔ "میرے نزدیک حقیقی دین یہ ہے کہ اس عالم کے اسباب کو اللہ تعالیٰ کے امرِ تکوینی کا پردہ سمجھنے لگے، اور یہ یقین کرنے لگے کہ اس پردہ میں کرنیوالا کوئی اور ہے اور اس کا فعل اور حکم حقیقی سبب ہے۔

گویا بجائے ظاہری اسباب کے اللہ تعالیٰ کے غیبی حکم ہی کو حقیقی سبب سمجھنے لگے (اور پھر ظاہری اسباب میں کوشش کرنے سے بھی زیادہ کوشش اس کی کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہوکر میرا کام پورا کردے)۔"

فرمایا۔" قرآن مجید کی آیت " وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا وَّیَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ " میں غور کرو۔"

۱۳۲

پنجاب کے ایک دیندار مسلمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔" وہ جب پہلی دفعہ یہاں آئے تو اتفاق سے میں اس وقت ابن ماجہ شریف کا سبق پڑھا رہا تھا انھوں نے سلام کیا میں نے حدیث کے درس میں مشغولیت کی وجہ سے جواب نہیں دیا، پھر وہ وہیں بیٹھ گئے، اور تھوڑی دیر کے بعد (سبق ہی کے دوران میں) انھوں نے کہا کہ میں فلاں جگہ سے آیا ہوں، میں نے اس کا بھی کوئی جواب نہیں دیا، کچھ دیر بعد وہ اُٹھ کر چلنے لگے اب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں آئے تھے؟ انھوں نے کہا۔" زیارہ کے لئے۔" میں نے کہا۔ جس " زیارت " کی حدیثوں میں ترغیب اور فضیلت آئی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی صرف صُورت دیکھ لی جائے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی کی تصویر دیکھ لی ـــــ شرعی زیارت یہ ہے کہ اس کی بات پوچھی جائے، اس کی سُنی جائے، اور آپ نے تو نہ اپنی

کچھ کہی اور نہ میری کچھ سُنی"____ انھوں نے کہا "کیا میں ٹھہروں؟" میں نے کہا۔"ضرور"____ چنانچہ وہ ٹھہر گئے، اور پھر جب انھوں نے میری بات کو کچھ سُنا اور سمجھا اور یہاں کے کام کو دیکھا تو اپنے بڑے بھائی کو بُلایا____ اگر میں اُسی وقت اسی طور پر مختصر بات ان سے کر لیتا تو جو کچھ بعد میں ہوا کچھ بھی نہ ہوتا، اور وہ بس "زیارت" ہی کر کے چلے جاتے۔"

____ فرمایا۔"زمانہ کے بدلنے سے دینی اصطلاحات کے معنی بھی بدل گئے اور ان کی رُوح نکل گئی، دین میں "مسلم کی مسلم سے ملاقات" کی فضیلت اس لئے ہے کہ اس میں دین کی باتیں ہوں، جس ملاقات میں دین کا کوئی ذکر فکر نہ ہو وہ بے رُوح ہے۔"

(۱۳۳)

فرمایا۔"ہمارے نزدیک اصلاح کی ترتیب یوں ہے کہ (کلمہ طیّبہ کے ذریعہ ایمانی معاہدہ کی تجدید کے بعد) سب سے پہلے نمازوں کی درستی اور تکمیل کی فکر کی جائے، نماز کی برکات باقی پوری زندگی کو سدھار نگی نماز کی درستی ہی ساری زندگی کے سدھار کا سرچشمہ ہے، اور نماز ہی کے صلاح اور کمال سے باقی زندگی پر صلاحیت اور کمال کا فیضان ہوتا ہے[۱]۔"

[۱] اس اجمال کی کچھ تفصیل خاکسار مرتب ملفوظات کے رسالہ "نماز کی فضیلت" سے معلوم ہو سکتی ہے جو چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳۴)

فرمایا "ہماری اس دینی دعوت میں کام کرنے والے سب لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دینی چاہئے کہ تبلیغی جماعتوں کے نکلنے کا مقصد صرف دوسروں کو پہونچانا اور بتانا ہی نہیں ہے، بلکہ اس ذریعہ سے اپنی اصلاح اور اپنی تعلیم و تربیت بھی مقصود ہے، لہٰذا نکلنے کے زمانہ میں علم اور ذکر میں مشغولیّت کا بہت زیادہ اہتمام کیا جائے، علم دین اور ذکر اللہ کے اہتمام کے بغیر نکلنا کچھ بھی نہیں ہے —— پھر یہ بھی ضروری ہے کہ علم و ذکر میں یہ مشغولیّت اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیرِ ہدایت و نگرانی ہو۔ انبیاء (علیہم السّلام) کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے زیرِ ہدایت تھا، اور صحابۂ کرامؓ حضورؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے علم و ذکر لیتے تھے، اور حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی پوری پوری نگرانی فرماتے تھے، اسی طرح ہر زمانہ کے لوگوں نے اپنے بڑوں سے علم و ذکر لیا، اور ان کی نگرانی اور رہنمائی میں تکمیل کی، ایسے ہی آج بھی ہم اپنے بڑوں کی نگرانی کے محتاج ہیں، ورنہ شیطان کے جال میں پھنس جانے کا بڑا اندیشہ ہے۔

قسط نمبر ۹

۱۳۵

فرمایا "ہماری یہ تبلیغی تحریک، دینی تعلیم و تربیت پھیلانے اور دینی زندگی کو عام کرنے کی تحریک ہے، اور اس کے جو اصول ہیں بس انھی کی رعایت اور نگہداشت میں اس کی کامیابی کا راز مضمر ہے" ان اصولوں میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کے جس طبقہ کا جو حق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو ادا کرتے ہوئے اس دعوت کو اس کے سامنے پیش کیا جائے —— مسلمانوں کے تین طبقے ہیں:

پسماندہ (غرباء)

اہلِ وقار

علماءِ دین

ان سب کے ساتھ جو معاملہ ہونا چاہیئے اس کو یہ حدیث جامع ہے۔ "مَن

لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَلَمْ يُبَجِّلْ عُلَمَائَنَا فَلَيْسَ مِنَّا۔" (اَوْ كَمَا قَالَ) "پس قوم میں جو چھوٹے ہوں ان کا حق (رحم و خدمت) اور جو اصحاب وقار اور اہلِ وجاہت ہوں ان کا حق (توقیر) اور علمائے دین کا حق (تعظیم) ادا کر کے ان کو یہ دعوت دی جائے" وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔

(۱۳۶)

دِلّی کے ایک تاجر ایک تبلیغی جماعت کے ساتھ کام کر کے سندھ سے واپس آئے تھے، وہاں کے کام کی رپورٹ ان سے سُن کر حضرت رح نے فرمایا:

"دوستو!

ہمارا یہ کام (اصلاحی و تبلیغی جد و جہد) ایک طرح کا عملِ تسخیر ہے۔ (یعنی جو کوئی اس کام میں لگے گا اور اس کو اپنی دُھن بنا لے گا اللہ تعالیٰ اس کے کام بناتا رہیگا) "مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ۔" اگر تم اللہ کے کام میں لگو گے تو زمین و آسمان اور فضاء کی ہوائیں تمھارے کام انجام دینگی ـــــ تم اللہ کے کام میں گھر اور کاروبار چھوڑ کے نکلے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لینا تمھارے کاروبار میں کتنی برکت ہوتی ہے ـــــ اللہ کی نصرت کر کے جو اس کی نصرت و رحمت کی اُمید نہ رکھے وہ فاسق

اور بے نصیب ہے۔"

مرتّب عرض کرتا ہے کہ آخری فقرہ آپ نے ایسے انداز اور اتنے جوش سے کہا کہ حاضرینِ مجلس کے دل ہل گئے۔

(۱۳۷)

فرمایا۔" ہمارے اس کام کی صحیح ترتیب تو یہی ہے کہ پہلے قریب قریب جایا جائے اور اپنے ماحول میں کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے، مثلاً یہاں سے جماعتیں پہلے کرنال، پانی پت وغیرہ جائیں پھر وہاں سے پنجاب اور ریاست بہاولپور کے علاقوں میں کام کرتی ہوئی سندھ جائیں ——— لیکن کبھی کبھی کارکنوں میں عزم اور پختگی کار پیدا کرنے کے لئے ابتداءً دُور دُور بھیج دیا جاتا ہے ——— اس وقت سندھ، بمبئی وغیرہ جماعتیں بھیجنے سے یہی مقصد ہے، ان طویل سفروں سے عزم اور کام کا عشق پیدا ہوگا۔"

(۱۳۸)

فرمایا۔" ہمارے اس کام میں پھیلاؤ سے زیادہ رسوخ اہم ہے لیکن اس کام کا طریقہ ایسا ہے کہ رسوخ کے ساتھ ہی ساتھ پھیلاؤ بھی ہوتا جائیگا کیونکہ رسوخ بغیر اس کے پیدا ہی نہیں ہوگا کہ اس دعوت کو لے کر شہروں اور ملکوں ملکوں پھرا جائے۔"

(۱۳۹)

ایک نیاز مند سے (جن کو مولانا کے تبلیغی کام سے بھی تعلّق تھا، اور اس کے علاوہ تحریر و تصنیف ان کا خاص مشغلہ تھا) ایک دن فرمایا ——— میں ابتک اس کو پسند نہیں کرتا تھا کہ اس تبلیغی کام کے سلسلہ میں کچھ زیادہ لکھا پڑھا جائے، اور تحریر کے ذریعہ اس کی دعوت دیجائے بلکہ میں اس کو منع کرتا رہا ——— لیکن اب میں کہتا ہوں کہ لکھا جائے اور تم بھی خوب لکھو، مگر یہاں کے فلاں فلاں کام کرنے والوں کو میری یہ بات پہنچا کر ان کی رائے بھی لے لو ——— (چنانچہ ان نامزد حضرات کو حضرت مولانا کی یہ بات پہنچا کر مشورہ طلب کیا گیا، ان صاحبان نے اپنی یہ رائے ظاہر کی کہ اس بارہ میں اب تک جو طرزِ عمل رہا ہے، وہی اب بھی رہے ہمارے نزدیک یہی بہتر ہے) ——— حضرت مولانا کو جب اُن حضرات کی یہ رائے پہنچائی گئی تو فرمایا ——— ہم پہلے بالکل کس مپرسی کی حالت میں تھے، کوئی ہماری بات سُنتا نہیں تھا، اور کسی کی سمجھ میں ہماری بات آتی نہیں تھی، اس وقت یہی ضروری تھا کہ ہم خود ہی چل پھر کر لوگوں میں پہلے طلب پیدا کریں اور عمل سے اپنی بات سمجھائیں، اس وقت اگر تحریر کے ذریعہ عام دعوت دیجاتی تو لوگ کچھ کا کچھ سمجھتے اور اپنے سمجھنے کے مطابق ہی رائے قائم کرتے، اور اگر بات کچھ دل کو لگتی

تو اپنی سمجھ کے مطابق کچھ سیدھی کچھ اُلٹی اس کی عملی تشکیل کرتے اور پھر جب نتائج غلط نکلتے تو ہماری اسکیم کو ناقص کہتے، اس لئے ہم یہ بہتر نہیں سمجھتے تھے کہ لوگوں کے پاس تحریر کے ذریعہ ہماری دعوت پہنچے — لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسکی مدد سے اب حالات بدل چکے ہیں، ہماری بہت سی جماعتیں ملک کے اطراف میں نکل کر کام کا طریقہ دکھلا چکی ہیں، اور اب لوگ ہمارے کام کے طالب بنکر خود ہمارے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنے آدمی دیدیے ہیں کہ اگر مختلف اطراف میں طلب پیدا ہو، اور کام سکھانے کے لئے جماعتوں کی ضرورت ہو تو جماعتیں بھیجی جا سکتی ہیں — تو اب ان حالات میں بھی کس مپرسی والے ابتدائی زمانہ ہی کے طریقۂ کار کے ہر ہر جُز پر جمے رہنا ٹھیک نہیں ہے، اس لئے میں کہتا ہوں کہ تحریر کے ذریعہ بھی دعوت دینی چاہیئے۔"

(۱۴۰)

فرمایا "اب یہ کہنا چھوڑ دو کہ تین دن دو، یا پانچ دن دو، یا سات دن دو، بس یہ کہو کہ راستہ یہ ہے جو جتنا کرے گا اتنا پاوے گا، اس کی کوئی حد اور کوئی سرا نہیں ہے، رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا کام سب نبیوں سے آگے ہے، اور حضرت ابوبکرؓ کی ایک رات اور ایک دن کے کام کو حضرت عمرؓ نہیں پا سکے، پھر اس کی غایت ہی کیا ہے یہ تو

سونے چاندی کی کان ہے جتنا کھودو گے اتنا نکالو گے۔"

(۱۴۱)

مادّی منافع کے لئے دشمنانِ اسلام کا آلۂ کار بننے والے مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"اگر تم ان میں شکم پرستی اور غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی کا جذبہ پیدا کر سکو گے تو پھر وہ پیٹ اور دوسری اغراض کی خاطر دشمنوں کے آلۂ کار کیوں بنیں گے، جذبات اور دل کا رخ بدلے بغیر زندگی کے اشغال بدلوانے کی کوشش غلط ہے، صحیح طریقہ یہی ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اللہ کی طرف پھیر دو، پھر ان کی پوری زندگی اللہ کے حکموں کے ماتحت ہو جائے گی، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا یہی مقصد ہے اور ہماری تحریک کی یہی بنیاد ہے۔"

(۱۴۲)

"ایک دن حضرتؒ نے غالباً یہ بیان فرماتے ہوئے کہ ہمارے اس کام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ لوگوں میں پہلے ایمان یعنی اللہ و رسول کی باتوں پر حقیقی یقین اور دین کی قدر پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس کے بغیر دین کے تفصیلی احکام پیش کرنا صحیح نہیں ہے، بلکہ اس سے لوگوں کے اندر اور ڈھٹائی پیدا ہو گی، ایک طالب علم کا قصہ

اس طرح بیان فرمایا:

"کسی طالب علم کو ان کے بزرگ استاد نے یہ یقین دلا رکھا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ بیش قیمت چیز علمِ دین ہے، اور اس کا ایک ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں روپیوں سے زیادہ قیمتی ہے، ایک دن اس طالب علم کو اپنا ٹوٹا ہوا جوتا گٹھوانے کی ضرورت پڑی، وہ چمار کے پاس گیا، جب مزدوری کی بات چیت ہوئی تو اس طالب علم نے کہا کہ میں تجھ کو دین کا ایک مسئلہ بتلا دوں گا، اس نے پہلے تو مذاق سمجھا، لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ یہ مذاق سے نہیں کہہ رہا ہے تو اس نے اپنی دکان سے اٹھا دیا۔ وہ اپنے استاد کے پاس آیا اور کہا کہ آپ تو کہتے تھے کہ دین کا ایک مسئلہ ہزاروں لاکھوں سے زیادہ قیمت کا ہوتا ہے، اور چمار تو اس کے بدلے جوتا گانٹھنے پر بھی تیار نہیں ہوا۔

ان بزرگ نے (جو اس شہر کے مشہور شیخ اور مرجع خلائق تھے) طالب علم کو ایک ہیرا دیا اور اس سے کہا کہ ترکاری بازار میں جا کر اس کی قیمت جچواؤ، وہ پہلے ایک بیر والی کے پاس گیا اور اس سے پوچھا یہ پتھر تو کتنے میں لے گی؟ اس نے کہا یہ میرے کس کام کا ہے، چھٹانک بھر کا بھی تو نہیں کہ جھٹنکی بنا لوں، خیر اگر تو دیوے ہی ہے تو پانچ بیر اس کے بدلہ میں تجھے دیدوں گی، میرا بچہ اس سے کھیل لیا کرے گا —— اس کے

بعد ایک دوسری بیر والی سے انھوں نے بات کی، اُس نے بھی یہی کہا کہ یہ میرے کسی کام کا نہیں ہے۔

یہ اپنے اُستاد کے پاس واپس آئے اور بتلایا کہ وہاں تو اس کو بیکار بتلایا گیا اور ایک بیر والی مشکل سے پانچ بیروں کے بدلے لینے پر تیار ہوئی۔

انھوں نے کہا کہ اب اس کو لے کر جوہری بازار جاؤ اور وہاں جوہریوں سے قیمت چچواؤ، مگر دینا کسی کو نہیں۔

یہ گئے اور ایک جوہری کی دُکان پر جا کر انھوں نے وہ ہیرا دکھایا دوکاندار نے اس طالب علم کی صورت دیکھ کر پہلے تو اس کو چور سمجھا، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ یہ فلاں بزرگ کا بھیجا ہوا ہے، تو کہا کہ یہ ہیرا ہم نہیں خرید سکتے، اس کو تو کوئی بادشاہ ہی خرید سکتا ہے ــــــ انھوں نے آکر اپنے استاد کو اس کی خبر دی۔

انھوں نے کہا کہ جس طرح بیر والی اس ہیرے کی قیمت کو نہیں جانتی تھی اور اس لئے وہ ایک پیسہ میں بھی اس کو لینے کے لئے تیّار نہیں ہوئی، اسی طرح وہ چمار بھی نہیں جانتا تھا کہ دین کے مسئلہ کی کیا قیمت ہوتی ہے، غلطی تمھاری ہے کہ تم نے ناقدر دان کو قدر دان سمجھ لیا۔"

اس کے بعد اسی سلسلہ میں دین کی قدر جاننے والے ایک بادشاہ کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا:

"ایک دیندار اور دین کے قدر شناس بادشاہ نے اپنا لڑکا ایک مولوی صاحب کے حوالہ کیا، کہ اس کو علمِ دین پڑھاؤ، اتفاق سے وہ لڑکا بڑا ہی کودن اور بے سمجھ تھا، مولوی صاحب نے بار بار بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ پڑھنے کے قابل نہیں ہے، لیکن بادشاہ کا حکم یہی آتا رہا کہ اس کی بالکل پرواہ نہ کرو، اگر وہ اپنی کم سمجھی کی وجہ سے اخذ نہیں کر سکتا ہے تو تم عبور ہی کرادو، چنانچہ بس عبور ہی ہوتا رہا، جب یہ عبور پورا ہو گیا تو بادشاہ نے بڑی خوشی منائی، اور لڑکے سے فرمائش کی کہ دین کی کوئی بات بیان کرو، اس نے کہا مجھے تو کچھ یاد نہیں، بادشاہ نے کہا کہ جو بھی مسئلہ تمھیں یاد ہو وہی بیان کر دو، لڑکے نے اُس وقت حیض کے متعلق ایک مسئلہ بیان کیا، بادشاہ نے بر سرِ مجلس کہا کہ اگر میری ساری سلطنت خرچ ہو کر بھی تمھیں صرف یہی ایک مسئلہ آجاتا تو بھی نفع ہی نفع تھا۔

بھائیو! لوگوں سے دین پر عمل کرانے کے لئے پہلے ان میں حقیقی ایمان، آخرت کی فکر، اور دین کی قدر پیدا کرو، اللہ کی دہش بہت ہے مگر اس کے یہاں غیرت بھی ہے، وہ ناقدروں کو نہیں دیتا —— تم بھی اپنے بڑوں سے دین کو قدر کے ساتھ لو —— اور اس قدر کا مقتضیٰ

یہ بھی ہے کہ ان کو اپنا بہت بڑا محسن سمجھو اور پوری طرح ان کی تعظیم و توقیر کرو یہی منشا ہے اس حدیث کا جس میں فرمایا گیا ہے :

مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ -	"جس نے اپنے محسن آدمیوں کا شکر نہ ادا کیا اس نے اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کیا"

۱۴۳

اسی سلسلہ میں فرمایا "اس سلسلہ کا ایک اصول یہ ہے کہ آزادروی اور خودرائی نہ ہو، بلکہ اپنے کو ان بڑوں کے مشوروں کا پابند رکھو، جن پر دین کے بارے میں ان اکابر مرحومین نے اپنا اعتماد ظاہر کیا، جن کا اللہ کے ساتھ خاص تعلق معلوم و مسلّم ہے رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے بعد صحابۂ کرام کا عام معیار یہی تھا کہ وہ انہی اکابر پر زیادہ اعتماد کرتے تھے جن پر حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) خاص اعتماد فرماتے تھے، اور پھر بعد میں وہ حضرات زیادہ قابلِ اعتماد سمجھے گئے جن پر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) نے اعتماد فرمایا تھا، دین میں اعتماد کے لئے بہت تیقّظ کے ساتھ انتخاب ضروری ہے، ورنہ بڑی گمراہیوں کا بھی خطرہ ہے۔"

۱۴۴

فرمایا "اکبر کی گمراہی کا خاص سبب یہی تھا کہ ابتداء میں اس نے علماء پر بہت اعتماد کیا، اور یہاں تک کیا، کہ اپنی باگ ہی مجلسِ علماء

کے ہاتھ میں دیدی اور علماء کے انتخاب کی صلاحیت وقابلیت تھی نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ طالبانِ دنیا اور متنافسین کا جمگھٹا ہوگیا، جب اکبر کو ان کی بدنیتی اور غرض پرستی اور دنیا طلبی کا تجربہ ہوا تو وہ علماء سے سخت متنفر ہوگیا اور پھر تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء سے اس نے کلی اجتناب اختیار کرلیا، اور دوسرے مذاہب کے پیشوا اس پر قابو یافتہ ہوگئے، پھر اسلام کی جگہ "دینِ الٰہی" بننے لگا[1]"

(۱۴۵)

فرمایا:" میری اس بیماری اور کمزوری کی وجہ سے علماء اور اطباء کا مستقل فیصلہ ہے کہ میں بات چیت بالکل نہ کروں، حتّٰی کہ سلام ومصافحہ بھی نہ کروں، میں اس متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی صرف اس دینی فریضہ (اصلاح وتبلیغ) کے احیاء کے لئے کرتا ہوں، جس کے متعلق مجھے معلوم ہے کہ اگر میں اس کو نہ کروں تو پھر یہ فریضہ اس وقت زندہ نہ ہوسکے گا، سُورۂ توبہ کی اس آیت سے میں نے یہ سمجھا ہے:

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ

---

[1] امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی اپنے بعض مکاتیب میں بالکل یہی چیز بیان فرمائی ہے، اور علماءِ دنیا ہی کو اس کی ضلالت کا سبب بتلایا ہے ۱۲ م

اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِھِمْ عَنْ نَّفْسِہٖ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی وقت دین کا کام کچھ لوگوں پر موقوف ہو، تو پھر ان کو اپنی جان کی پرواہ کرنا جائز نہیں۔"

(۱۴۶)

فرمایا:" عام طور سے کام کرنے والے لوگ بڑے آدمیوں اور نمایاں ہستیوں کے پیچھے لگتے ہیں، اور اللہ کے غریب اور خستہ حال بندے اگر خود بھی آجائیں تو ان کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوتے، یہ مادیت ہے خوب سمجھ لو، جو خود بخود تمھارے پاس آگیا وہ اللہ کا عطیہ اور اس کا بھیجا ہوا ہے، اور جس کے پیچھے لگ کے تم اسے لائے وہ تمھاری کمائی ہے جو اللہ کی خالص عطا ہو اس کی قدر اپنی کمائی سے زیادہ ہونی چاہئے یہ شکستہ حال غریب میواتی جو یہاں پڑے رہتے ہیں ان کی قدر کرو، ذرا سوچو تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعاء کی تھی:

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنَ (ترجمہ) "اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ، اور مسکینی ہی کی حالت میں مجھے موت دے، اور بروزِ قیامت مسکینوں کی جماعت میں مجھے اٹھا۔"

۱۴۷

فرمایا۔ "حضرت گنگوہی (رحمۃ اللہ علیہ) اس دور کے قطب ارشاد اور مجدّد تھے، لیکن مجدّد کے لئے ضروری نہیں ہے کہ سارا تجدیدی کام اسی کے ہاتھ پر ظاہر ہو، بلکہ اس کے آدمیوں کے ذریعہ جو کام ہو وہ سب بھی بالواسطہ اسی کا ہے جس طرح خلفائے راشدین بالخصوص حضرات شیخین کا کام فی الحقیقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا کام ہے۔"

۱۴۸

فرمایا۔ "دین کی نعمت جن وسائط سے ہم تک پہنچی، ان کا تشکّر و اعتراف اور ان کی محبّت نہ کرنا محرومی ہے "مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ" اور اسی طرح انہی کو اصل کی جگہ سمجھ لینا بھی شرک اور مردودیت کا سبب ہے، وہ تفریط ہے اور یہ افراط ہے، اور صراطِ مستقیم ان دونوں کے درمیان ہے۔"

۱۴۹

فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات وعادات جو قرآن پاک میں بیان کی ہیں ان پر اسی طرح ایمان رکھنا چاہئے، کسی کا بیان بھی اللہ کے اپنے بیان کو نہیں پہنچ سکتا، خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے "اَللّٰھُمَّ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ۔"

۱۵

"حضرت گنگوہی (نور اللہ مرقدہٗ) کے نواسے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی زیارت و عیادت کے لئے تشریف لائے، اُن کے ساتھ اُنھی کے گھرانے کی کوئی خاتون بھی تھیں (غالباً ان کی صاحبزادی ہی تھیں) وہ بھی حضرت مولانا کی عیادت کے لئے تشریف لائی تھیں، حضرتؒ نے ان کو پسِ پردہ حجرہ ہی میں بُلوالیا، اُن کو خطاب کرتے ہوئے جو کچھ اُس وقت حضرتؒ نے فرمایا تھا اُس کے چند فقرے قلمبند کر لئے گئے تھے، جو درج ذیل ہیں:

فرمایا۔ "مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ" مجھے دین کی نعمت آپ کے گھرانے سے ملی ہے، میں آپ کے گھر کا غلام ہوں، غلام کے پاس اگر کوئی اچھی چیز آجائے تو اسے چاہئے کہ تحفہ میں اپنے آقا کے سامنے پیش کر دے، مجھ غلام کے پاس آپ ہی کے گھر سے حاصل کیا ہوا "وراثتِ نبوّت" کا تحفہ ہے، اس کے سوا اور اس سے بہتر میرے پاس کوئی سوغات نہیں ہے جسے میں پیش کر سکوں۔

دین کیا ہے؟ ہر موقع پر اللہ کے اوامر کو تلاش کرتے ہوئے اور ان کا دھیان کرتے ہوئے، اور اپنے نفس کے تقاضہ کی آمیزش سے

بچتے ہوئے اُن کی تعمیل میں لگے رہنا، اور اللہ کے حکموں کی تلاش اور دھیان کے بغیر کاموں میں لگنا ہی دنیا ہے۔

اس طریقہ سے چند روز میں وہ بات حاصل ہوسکتی ہے جو دوسرے طریقوں سے ۲۵ سال میں بھی حاصل نہیں ہوتی۔

میں مستورات سے کہتا ہوں کہ دینی کام میں تم اپنے گھروالوں کی مددگار بن جاؤ، انھیں اطمینان کے ساتھ دین کے کاموں میں لگنے کا موقع دے دو، اور گھریلو کاموں کا ان کا بوجھ ہلکا کر دو، تاکہ وہ بےفکر ہوکر دین کا کام کریں، اگر مستورات ایسا نہ کریں گی تو "حبالة الشیطان"[۱] ہو جائیں گی۔

دین کی حقیقت ہے جذبات کو اللہ کے اوامر کا پابند کرنا، صرف دینی مسائل کے جاننے کا نام دین نہیں ہے، علماءِ یہود دین کی باتیں اور اپنی شریعت کے مسائل بہت جانتے تھے، لیکن اپنے جذبات کو انھوں نے اوامرِ الٰہیہ کا پابند نہیں کیا تھا، اس لئے مغضوب و مردود ہو گئے۔

---

[۱] یعنی شیطان کے جال اور پھندے جن میں پھانس کے وہ آدمیوں کو دین کی راہ سے روکتا ہے، یہ مضمون ایک حدیث کا ہے ۱۲ م

اسی گفتگو کے اثناء میں کسی خاص معاملہ کے متعلق حضرتؒ
سے دعاء کی درخواست کی گئی تو، فرمایا:
"جو کوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرلے یعنی جذبات کو اوامر الٰہیہ کے تابع کردے، تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی تمام مشکلیں پردۂ غیب سے حل کرتے ہیں، اور ایسے طریقوں سے اس کی مدد کرتے ہیں کہ خود اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، اللہ کی خاص مدد حاصل کرنے کی یقینی اور شرطیہ تدبیر یہ ہے کہ اس کے دین کی مدد کیجائے" اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ"
اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو تو ہلاک کرنے والی چیزیں تمہارے لئے زندگی اور راحت کا سامان بن جائیں، حضرت ابراہیم (علیہ السّلام) نے جی جان سے اللہ کے دین کی مدد کی، تو اللہ نے آگ کو ان کے حق میں گلزار بنادیا، ایسے ہی حضرت موسیٰ (علیہ السّلام) اور ان کی قوم کو اُس دریا نے جس کی خاصیّت ڈبونا ہے سلامتی کے ساتھ ساحل تک پہنچادیا۔"

(۱۵۱)

آج بتاریخ ۲ جمادی الاوّل ۱۳۶۳ھ بروز چہارشنبہ رات میں دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کی ایک جماعت آئی ہے، رات

بوقت عشاء حضرتؒ کو اسہال کا ایک دورہ ہو گیا تھا، جس سے ضعف انتہا کو پہنچا ہوا ہے، بات کرنے کی طاقت نہیں ہے، بعد نماز فجر خاکسار مرتّب کو بلایا اور ارشاد فرمایا:

"کان بالکل میرے لبوں سے لگا دو اور سنو! یہ طلبہ اللہ کی امانت اور اس کا عطیہ ہیں، ان کی قدر اور اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ان کا وقت ان کی حیثیت کے مناسب پورے اہتمام سے کام میں لگایا جائے، اور ذرا سا وقت بھی ضائع نہ جائے، یہ بہت کم وقت لے کے آئے ہیں، پہلے میری یہ دو تین باتیں انھیں پہنچا دو:

۱۔ اپنے تمام اساتذہ کی توقیر اور ان سب کا ادب و احترام آپ کا خصوصی اور امتیازی فریضہ ہے، آپ کو ان کی ایسی تعظیم کرنی چاہیئے جیسے کہ ائمہ دین کی جاتی ہے، وہ آپ لوگوں کے لئے علمِ نبویؐ کے حصول کا ذریعہ ہیں، اور جس شخص نے کسی کو دین کی ایک بات بھی بتلائی وہ اس کا مولیٰ ہو جاتا ہے، پھر علمِ دین کے مستقل اساتذہ کا جو حق ہے وہ سمجھا جا سکتا ہے، بلکہ اگر ان کے درمیان کچھ نزاعات بھی ہوں تب بھی ادب و تعظیم کا تعلق سب کے ساتھ یکساں رہنا چاہیئے، خواہ محبّت و عقیدت

کسی کے ساتھ کم اور کسی کے ساتھ زیادہ ہو لیکن عظمت میں فرق نہ آنا چاہیئے، اور دل میں ان کی طرف سے بدی نہ آنا چاہیئے، قرآن مجید نے تو ہر مؤمن کا یہ حق بتایا ہے کہ ان کی طرف سے اپنے دلوں کے صاف رہنے کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کی جایا کرے، فرمایا: "وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" (اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں ایمان والوں کا کینہ)۔ اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا کرتے تھے "لَا یُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ عَنْ اَحَدٍ شَیْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْکُمْ وَاَنَا سَلِیْمُ الصَّدْرِ"۔ (تم میں سے کوئی مجھے ایک دوسرے کی باتیں نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ میں جب تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ سب کی طرف سے صاف ہو)۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اپنی وفات کی دعاء اس وقت مانگی جبکہ اُمت بہت پھیلنے لگی، اور آپؐ کو خطرہ ہوا کہ کہیں ناواقفی کی وجہ سے کسی کے دل میں میری طرف سے کوئی میل نہ آجائے، اور مبادا پھر وہ برباد ہو جائے۔"

اسی سلسلہ میں فرمایا:

اُن چیزوں کا اجر (یعنی بڑوں چھوٹوں کے حقوق کی رعایت کا اجر) جس کا وسیع نام اصلاح ذات البین ہے) ارکان سے کم نہیں ہے، بلکہ زیادہ ہی ہے۔ ارکان کی رکنیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے جو زندگی چاہتے ہیں وہ ان ارکان سے پیدا ہو سکتی ہے، نیز اس اصلاح ذات البین کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں کے حق میں شفیق و کریم اور رؤف و رحیم ہے، اس کے کرم سے تو معافی ہی کی زیادہ امید ہے، لیکن بندے تو ایسے ہی ہیں جیسے کہ تم خود ہو، لہٰذا ان کے حقوق کی ادائگی کا معاملہ نہایت اہم ہے اور پھر اس شعبہ میں علمِ دین کے اساتذہ کے حقوق کا معاملہ اور بھی زیادہ نازک ہے، تو ان طلبہ کو میرا ایک پیغام تو یہ پہنچاؤ کہ اپنی زندگی کے اس پہلو کی اصلاح کی یہ خاص طور سے فکر کریں۔

۲۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس فکر میں لگے رہیں، اور اس فکر کے بوجھ کے ساتھ زندگی گزاریں کہ جو کچھ پڑھا ہے اور جو پڑھیں گے اس کے مطابق زندگی گزرے، علمِ دین کا یہ پہلا لازم حق ہے، دین کوئی فن اور

لہ ابوداؤد و ترمذی بحوالہ کتاب الادب۔ اس حدیث میں آپ نے اس مضمون کو بیان کیا ہے کہ اصلاح ذات البین کا درجہ نماز، روزہ وغیرہ عبادات سے زیادہ ہے ۱۲ م

فلسفہ نہیں ہے بلکہ زندگی گزارنے کا وہ طریقہ ہے جو انبیاء (علیہم السلام) لیکر آئے ہیں، اللہ کے رسول ؐ نے "عِلم لا ینفعُ" سے (یعنی اس علم سے جو عمل پہ نہ ڈالے) پناہ مانگی ہے، اور اس کے علاوہ بھی عالم بے عمل کے لئے جو سخت وعیدیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں وہ آپ کے علم میں ہیں، یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ عالم کی بے عملی نماز نہ پڑھنا اور روزہ نہ رکھنا، شراب پینا یا زنا کرنا نہیں ہے، یہ تو عامیوں کے عام گناہ ہیں، عالم کا گناہ یہ ہے کہ وہ علم پر عمل نہ کرے اور اس کا حق نہ ادا کرے۔

"قریباں را بیش بود حیرانی"

قرآن مجید میں علماء اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

"فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً"[1]۔

۳۔ تیسری بات ان طلبہ سے یہ کہی جائے کہ ان کا وقت بڑا قیمتی ہے، اور وہ بہت تھوڑا وقت لیکر آئے

---

[1] "انکی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔"

ہیں لہذا اسکا ایک لمحہ بھی یہاں ضائع نہ کریں، بلکہ یہاں کے اصولوں کے مطابق تعلیم و مذاکرہ کے کاموں میں لگے رہیں؛ پرانوں سے باتیں کریں اور اُن کے ساتھ رہیں، اور انہی کی معیت میں شہر (دہلی) کے عربی مدرسوں میں جاکر کام کریں۔"

(۱۵۲)

دیوبند سے طلبہ کی جو جماعت رات آئی ہے پہلے تو اس کو مندرجہ بالا پیغام دیا، اس کے بعد جب چاۓ پینے کے لئے مہمان حضرات حسب دستور حضرتؒ کے قریب آکر بیٹھے تو حضرتؒ نے ان طلبہ سے خود بہ نفس نفیس گفتگو فرمانی چاہی، اور نہایت نحیف آواز میں فرمایا:-

"آپ لوگ یہاں کیوں آئے ہیں؟ دیوبند جیسے بڑے مدرسہ کے شفیق اساتذہ، اچھی شاندار عمارتوں والے اقامت خانے، اور اپنا مانوس ماحول چھوڑ کے آپ یہاں کس واسطے آئے ہیں (پھر خود ہی اپنے اس سوال کا یہ جواب دیا) اس لئے کہ اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کی کوششوں میں جان دینے کے شوق کو زندہ کریں، اور اس کا طریقہ سیکھیں، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعدے ہیں یقین

کے ساتھ ان سے امیدیں لگاتے ہوئے اور اس کے غیر سے بالکل اُمیدیں نہ لگاتے ہوئے بلکہ غیروں سے امیدیں منقطع کرتے ہوئے کام کرنا سیکھیں "جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۔"

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا:

"جتنی ضرورت اس کی ہے کہ اللہ ہی سے اُمیدیں رکھی جائیں اتنی ہی ضرورت اس کوشش کی ہے کہ غیر اللہ سے اُمیدیں نہ رکھی جائیں، بلکہ ماسوا اللہ سے بالکل صرفِ نظر کر کے کام کرنے کی مشق کی جائے" اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۔ حدیث میں ہے کہ جو لوگ غیروں سے کچھ امیدیں رکھ کر اچھے کام کریں گے، قیامت میں اُن سے کہہ دیا جائے گا کہ جاؤ انہی سے جا کر اپنا اجر لو۔"

(۱۵۴)

انہی طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"اقامتِ صلوٰۃ ساری زندگی کو درست کرنیوالی چیز ہے لیکن اقامتِ صلوٰۃ کی تکمیل ہوگی ان اوصاف کے پیدا کرنے سے جن کا ذکر نماز کے سلسلہ میں قرآن مجید میں متفرق طور پر کیا گیا ہے، مثلاً فرمایا گیا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ

خَاشِعُوْنَ ؕ" اور سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں "اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ الخ کے بعد فرمایا گیا ہے "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ؕ" ان دونوں آیتوں کو ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خشوع فی الصّلوٰۃ بھی اقامتِ صلوٰۃ میں داخل ہے اور بغیر خشوع کے نماز پڑھنے والے "مُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ" نہیں ہیں ____ اور نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کی ترکیب و تدبیر کی طرف دوسری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حضوری کے یقین کو زیادہ سے زیادہ بڑھایا جائے "وَاِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخَاشِعِیْنَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ" (فرمایا) "مُلٰقُوْا رَبِّھِمْ" کو آخرت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اللہ کے بندوں کو نماز کی جیسی حالت میں جو حضوری نصیب ہوتی ہے وہ بھی اس کی مصداق ہے۔"

(۱۵۴)

اسی سلسلہ میں فرمایا ____ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ" اور "اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" میں جس فلاح اور کامیابی کا وعدہ ہے، اس کو صرف فلاحِ اُخروی ہی میں منحصر کرنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ دنیا میں کامیابی و کامرانی بھی اس میں داخل ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں میں یہ ایمانی اوصاف ہوں، ہماری غیبی مدد دنیا میں بھی ان کا راستہ صاف

کرنے اور فلاح وکامرانی تک ان کو پہنچانے کی ذمّہ دار ہے۔"

(۱۵۵)

اسی سلسلہ میں فرمایا ——— "غیبی مدد اور غیبی طاقت جس چیز کا نام ہے وہ پہلے سے حوالہ نہیں کی جایا کرتی، بلکہ عین وقت پر ساتھ کر دی جایا کرتی ہے، گویا اللہ کے خزانہ میں جمع ہے، اور ایمان و توکّل کی شرط یہ ہے کہ اس پر اعتماد اپنے ہاتھ کی مکسوبہ (حاصل کی ہوئی) طاقت سے زیادہ ہونا چاہئے۔"

(۱۵۶)

اسی سلسلہ میں فرمایا ——— "وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" کو صرف مال و دولت سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں ہم کو دی ہیں، مثلاً فکر و رائے اور ہاتھ پاؤں یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں، اور اللہ کے کاموں میں اور اس کے دین کے لئے ان چیزوں کا استعمال کرنا بھی اس میں شامل ہے۔"

(۱۵۷)

ان طلبہ ہی سے فرمایا ——— "تم اپنی قدر و قیمت تو سمجھو، دنیا بھر کے خزانے بھی تمھاری قیمت نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی تمھاری قیمت نہیں لگا سکتا، تم انبیاء (علیہم السّلام) کے نائبین ہو جو ساری

دنیا سے کہہ دیتے ہیں" اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ " تمھارا کام یہ ہے کہ سب سے امیدوں کو منقطع کرتے ہوئے، اور صرف اللہ کے اجر پر یقین واعتماد رکھتے ہوئے تواضع اور تذلل سے مؤمنین کی خدمت کرو، اسی سے عبدیت کی تکمیل و تزئین ہوگی "۔

(۱۵۸)

ایک مشہور دینی جماعت کے ممتاز کارکن اور رہنما عیادت اور زیارت کے لئے تشریف لائے، حضرتؒ نے ان سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

" ہمارے ہاں حساب کتاب نہیں رہتا، دینی کام کرنیوالوں کو بھی حساب کتاب کی ضرورت اس لئے ہوگئی ہے کہ وہ اعتماد اور اطمینان باقی نہیں رہا جس کے بعد کسی حساب کتاب کی ضرورت نہیں رہتی، اگر اپنے طرزِ عمل سے وہی اعتماد پھر پیدا کر لیا جائے تو حساب کتاب میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ خالص دینی کاموں ہی کے لئے بچ رہے "۔

(۱۵۹)

" ہندوستان کی ایک مشہور سیاسی و مذہبی مجلس کے ایک بڑے رہنما (جو ہندوستان کے بہت بڑے اور

سحر بیان خطیب بھی ہیں) عیادت اور زیارت کو تشریف لائے، دو دن پہلے حضرتؒ پر نہایت سخت دورہ پڑ چکا تھا جس کی وجہ سے اسقدر ضعف ہو گیا تھا کہ اکثر اوقات لبوں پر کان رکھ کے بات سُنی جا سکتی تھی، جب ان صاحب کی آمد کی اطلاع دیگئی تو اس ناچیز (مرتّب ملفوظات) کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا: "مجھے ان سے بات کرنا ضروری ہے، لیکن صورت یہ ہوگی کہ اپنا کان میرے مُنہ کے قریب کر دینا، اور جو کچھ میں کہوں وہ ان سے تم کہتے جانا" چنانچہ وہ صاحب جب اندر تشریف لائے تو بات شروع تو میرے ہی ذریعہ سے فرمائی، لیکن دو تین ہی منٹ بعد اللہ تعالیٰ نے اتنی قوت عطا فرما دی کہ قریباً آدھ گھنٹہ تک مسلسل تقریر فرماتے رہے، اس مجلس کے جو ارشادات قلمبند کئے جا سکے تھے وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں —— فرمایا:

مُسلم کا مسلم سے ملنا بس اسلام کے فروغ کے لئے ہے، ورنہ مسلموں اور غیر مسلموں کی ملاقاتوں میں کیا فرق ہے؟

آپ یہاں کچھ دن رہ کر ہمارے کام کا مطالعہ کریں، اس کے بغیر ہماری بات کا سمجھ میں آنا اور ہمارے مقصد کو پانا مشکل ہے، اصل بات یہ

ہے کہ تعلّقات محمدیہ مُردہ ہو چکے ہیں، ان کو زندہ کرنا ہے، اور بس اسی کی کوششوں میں مر رہنا ہے۔

میں نے شروع میں مدرسہ پڑھایا (یعنی مدرسہ میں درس دیا) تو طلبہ کا ہجوم ہوا، اور اچھے اچھے صاحبِ استعداد طلبہ کثرت سے آنے لگے میں نے سوچا کہ ان کے ساتھ میری محنت کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ جو لوگ عالم بننے ہی کے لئے مدرسوں میں آتے ہیں، مجھ سے پڑھنے کے بعد بھی وہ عالم مولوی ہی بن جائیں گے اور پھر ان کے مشاغل بھی وہی ہوں گے جو آجکل عام طور سے اختیار کیے جاتے ہیں، کوئی طب پڑھ کر مطب کرے گا، کوئی یونیورسٹی کا امتحان دے کر اسکول کالج میں نوکری کرے گا، کوئی مدرسہ میں بیٹھ کر پڑھاتا ہی رہے گا، اس سے زیادہ اور کچھ نہ ہوگا، یہ سوچ کر مدرسہ میں پڑھانے سے میرا دل ہٹ گیا۔

اس کے بعد ایک وقت آیا جب میرے حضرت نے مجھ کو اجازت دیدی تھی تو میں نے طالبین کو ذکر کی تلقین شروع کی، اور ادھر میری توجہ زیادہ ہوئی، اللہ کا کرنا، آنے والوں پر اتنی جلدی کیفیات اور احوال کا ورود شروع ہوا۔ اور اتنی تیزی سے حالات میں ترقی ہوئی کہ خود مجھے حیرت ہوئی، اور میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور اس کام میں لگے رہنے کا نتیجہ کیا نکلے گا، زیادہ سے زیادہ یہی کہ کچھ اصحابِ احوال اور ذاکر

شاغل لوگ پیدا ہو جائیں، پھر لوگوں میں انکی شہرت ہو جائے تو کوئی مقدمہ جیتنے کی دعاء کے لئے آئے، کوئی اولاد کے لئے تعویذ کی درخواست کرے، کوئی تجارت اور کاروبار میں ترقی کی دعاء کرائے، اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُن کے ذریعہ بھی آگے کو چند طالبین میں ذکر و تلقین کا سلسلہ چلے۔ یہ سوچکر ادھر سے بھی میری توجہ ہٹ گئی، اور میں نے یہ طے کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی جو قوتیں عطا فرمائی ہیں اُن کا صحیح مصرف یہ ہے کہ اُن کو اُسی کام میں لگایا جائے جس میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی قوتیں صرف فرمائیں، اور وہ کام ہے اللہ کے بندوں کو اور خاص کر غافلوں، بے طلبوں کو اللہ کی طرف لانا، اور اللہ کی باتوں کو فروغ دینے کے لئے جان کو بے قیمت کرنے کا رواج دینا، بس یہی ہماری تحریک ہے اور یہی ہم سب سے کہتے ہیں، یہ کام اگر ہونے لگے تو اب سے ہزاروں گنے زیادہ مدرسے اور ہزاروں گنی ہی زیادہ خانقاہیں قائم ہو جائیں، بلکہ ہر مسلمان مجسم مدرسہ اور خانقاہ ہو جائے اور حضورؐ کی لائی ہوئی نعمت اس عمومی انداز سے بٹنے لگے جو اس کے شایانِ شان ہے۔

حضرت! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک قوت دی ہے اس سے میرا مطلب بیان و تقریر کی قوت نہیں ہے، بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ آپ ایک جماعت کے بڑے اور اس کے مطاع ہیں، ہزاروں آدمی آپکی

بات مانتے ہیں، آپ اللہ کی دی ہوئی اس قوّت کی قدر کیجئے اور اس کو اللہ کے کاموں کے لئے اور اس کی باتوں کے فروغ کے لئے استعمال کیجئے، جس کی صورت یہ ہے کہ جو لوگ آپ کی بات مانتے ہیں آپ ان کو متوجہ کیجئے کہ ہمارے آدمیوں کے ساتھ کچھ دنوں رہ کر وہ ہمارے کام کو سمجھیں، اور سیکھیں، اور پھر اپنے حلقوں میں یہ کام کریں، اس سے انشاء اللہ وہ بہت کام کے بن جائیں گے۔

حضرت! ایمان کے دو بازو ہیں، ایک اللہ و رسولؐ کے دشمنوں پر غلظت و شدّت، اور دوسرے اللہ و رسولؐ کے ماننے والوں اور محبّوں پر شفقت و رحمت اور ان کے مقابلہ میں فروتنی اور ذلّت،

"اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِيْنَ
اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ"

ایمان والوں کی ترقی و پرواز کے لئے یہ دونوں بازو ضروری ہیں، ایک بازو سے کوئی جانور بھی نہیں اُڑ سکتا۔"

"ان صاحب نے جو حضرتؒ سے عقیدت اور نیاز مندی کا بھی تعلق رکھتے ہیں، حضرتؒ کے یہ ارشادات سُن کر عرض کیا کہ جوانی اور طاقت کا سارا زمانہ تو دوسرے کاموں میں صرف ہو گیا، اس وقت کسی بزرگ نے نہ کھینچا، اب میں بوڑھا ہو گیا، اور کسی

نئے کام کی ہمت وطاقت نہیں رہی تو حضرت مجھ سے اپنا کام لینا چاہتے ہیں' اب میں کسی کام کا نہیں رہا ہوں۔"

حضرتؒ نے ارشاد فرمایا —— "اگر فی الحقیقت آپ پہلے یہ سمجھتے تھے کہ آپ میں کچھ طاقت و قوّت ہے اور آپ کچھ کر سکتے ہیں تو اس وقت آپ اللہ کے کام کے قابل نہ تھے، اور اگر اب آپ کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ آپ میں کوئی قوت و طاقت نہیں ہے اور آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں تو اب ہی آپ اللہ کے کام کے قابل ہوئے ہیں، اللہ کا کام کرنے اور اس کی مدد کے مستحق ہونے کے شرائط میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے کو بالکل عاجز ولاچار سمجھے اور صرف اللہ ہی کو کارساز یقین کرے اس کے بغیر مدد نہیں ہوتی، حدیث قدسی میں ہے: "اَنَا عِندَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ" (میں انہی کے ساتھ ہوں جن کے دل ٹوٹے ہوئے ہیں)۔"

فرمایا —— میں سیاسی کام کرنے والوں کا بھی ممنون ہوں انھوں نے گورنمنٹ کو اپنی طرف متوجہ کئے رکھا جس کی وجہ سے میں اطمینان سے اتنے دنوں اپنا کام کر سکا۔"

آخر میں رخصت ہوتے وقت ان صاحب نے دُعاء کی درخواست کی تو اس پر فرمایا:

"حضرت! ہر مسلمان کے لئے اس کی غیبت میں دُعاء کرنا

درحقیقت اپنے لئے دُعا کرنا ہے، حدیث میں ہے، کہ:

"جب کوئی مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے خیر و فلاح کی کوئی دعاء کرتا ہے تو اللہ کے فرشتے کہتے ہیں (وَلَکَ مِثْلُ ذٰلِکَ) یعنی اے اللہ کے بندے یہی چیز اللہ تجھے بھی دے۔"

پس ہر مسلمان کے لئے کسی بہتری کی دُعاء درحقیقت فرشتوں سے اپنے لئے دعاء کرانے کی ایک یقینی تدبیر ہے۔"

قسط نمبر ۱۰

۱۶۰

فرمایا ــــ "اس دینی دعوت کے سلسلہ میں ہر طبقہ کے مسلمانوں سے ملنا، اور ان سب کو اس طرف لانے کی سعی کرنا ضروری ہے ــــ میں اپنا ایک واقعہ سناتا ہوں (اس کے بعد مولانا نے ایک مشہور عالمِ دین کے متعلّق جو اس عصر کے بڑے عالم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں، بتایا) کہ انھوں نے ایک دفعہ برسرِعام حضرت مولانا ...... نور اللہ مرقدہٗ کے متعلّق بہت ہی خراب اور بالکل ہی غلط بعض باتیں کہیں جس سے میرا بہت ہی دل دُکھا، اور میری حالت یہ ہوگئی کہ میں اُن کی صورت نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد جب میں اس کام میں لگا ہوں تو ایک دن میرے دل میں آیا کہ اُن صاحب کے متعلّق میرا یہ طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے، آخر

وہ مومن و مسلم ہیں۔ حضرت شیخ الہند (رحمۃ اللہ علیہ) کے فیوض بھی اُنکے اندر ضرور ہوں گے، قرآن مجید کے علمی انوار بھی اُن کے پاس ہیں، جس شخص میں خیر کے اتنے پہلو ہوں اس سے اتنی دوری اختیار کر لینا خود اپنا نقصان کرنا ہے، لہٰذا خود مجھے جا کر اُن کی زیارت کرنی چاہیئے اور ان کے ان دینی کمالات کی وجہ سے مجھے ان کا اکرام کرنا چاہیئے۔ اور انکی جس بات سے میرا دل دُکھا اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ باتیں ان سے کسی دوسرے شخص نے اسی طرح کہی ہوں اور اُن کی غلطی صرف اتنی ہی ہو کہ انھوں نے اُن کو سچ سمجھ کے اس عام موقع پر نقل کر دیا ہو، یا اسی طرح کی کوئی اور اجتہادی غلطی اس معاملہ میں ان سے ہوئی ہو، بہر حال یہ غلطی ایسی نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کو اس طرح چھوڑ دینا میرے لئے درست ہو۔"

فرمایا —"یہ باتیں میں نے اپنے نفس کو تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سمجھائیں، اور میری ان باتوں کے جواب میں میرے نفس نے جو جو حجتیں پیش کیں، میں نے ان سب کو دلیلوں سے رَد کیا اور "زیارت مسلم" اور "اکرام مسلم" پر جن جن اجروں کی بشارتیں نصوص میں وارد ہوئی ہیں، میں نے ان کو یاد کیا، اور اپنے نفس کو یاد دلایا، اور بالآخر خُود ان کے پاس جانے کا ارادہ کر لیا۔

پھر مجھے اس میں تردّد ہوا کہ مجھے اس وقت ان کے پاس صرف شرعی زیارت ہی کی نیت سے جانا چاہیئے یا دینی دعوت پیش کرنے کا قصد کرنا چاہیئے (یعنی ان دونوں صورتوں میں سے کون سی اولےٰ اور حبّ الی اللہ ہے) —— بالآخر میں نے یہ طے کیا کہ "زیارت" اور "دعوت" کی مستقل مستقل نیّت کر کے مجھے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیئے اس میں انشاءاللہ دونوں چیزوں کا پورا پورا ثواب ملے گا، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، اور یہ ملاقات پھر بہت سی برکتوں اور بہت سے فائدوں کا ذریعہ بنی "۔

(۱۶۱)

اسی سلسلۂ کلام میں فرمایا —— "ہمارے بعض خاص حضرات میرے اس رویہ سے ناراض ہیں کہ میں اس دینی کام کے سلسلہ میں ہر طرح اور ہر وضع کے لوگوں اور مسلمانوں کے ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا ہوں، اور ملنا چاہتا ہوں، اور اپنے لوگوں سے بھی ان کے ساتھ ملنے جلنے کو کہتا ہوں، لیکن میں اپنے حضرات کی اس ناراضی کو سہنا، اور ان کو معذور قرار دیتے ہوئے ان کو بھی اسی طرف لانے کی پوری سعی کرتے رہنا شکرِ واجب کا ایک جزء سمجھتا ہوں۔ ع

"چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش"

ان حضرات کا خیال ہے کہ یہ طرزِ عمل ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے طریقہ اور مذاق کے خلاف ہے، لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ جس چیز کا دین کیلئے نافع اور نہایت مفید ہونا دلائل اور تجربے سے معلوم ہو گیا، اس کو صرف اس لئے اختیار نہ کرنا کہ ہمارے شیخ نے یہ نہیں کیا، بڑی غلطی ہے، شیخ شیخ ہی تو ہے، خدا تو نہیں ہے۔"

۱۶۲

فرمایا:" اس دینی کام (تبلیغِ دین اور اصلاحِ امت کی عوامی تحریک) کی طرف مجھے متوجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص تائید ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجھے کچھ ایسی خصوصیات حاصل تھیں کہ جن بعض اکابر کو میرے اس کام کے متعلق پوری معلومات نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کچھ شکوک بھی ہوئے تو انھوں نے بھی میری وجہ سے سکوت اختیار کیا، اور اپنے اختلاف رائے کو ظاہر نہیں فرمایا میری وہ خصوصیات یہ ہیں:

ایک تو یہ کہ میری نیاز مندی کا تعلق اپنے زمانہ کے سب ہی بزرگوں سے رہا، اور الحمدللہ سب کی عنایات اور سب کا اعتماد مجھے حاصل رہا۔

دوسرے یہ کہ میرے والد ماجد ایک عالی مرتبہ اور متفق علیہ بزرگ تھے

اور باہم بہت سے اختلافات رکھنے والے اہلِ دین کے مختلف طبقے ان پر متفق تھے۔"

تیسرے یہ کہ میرا خاندان ایک خاص اثر اور عزّت و وجاہت رکھنے والا خاندان تھا۔"

(۱۶۳)

فرمایا۔ "علماءِ حق کو میرا یہ پیغام ادب و احترام کے ساتھ پہنچا دو۔ کہ آپ لوگوں کو میری اس تحریک کے متعلق جو حُسنِ ظن یا کچھ توجہ ہوئی ہے تو وہ اُن بیچارے اَن پڑھ مَیواتیوں کے بیان کرنے یا اُن میں کچھ اصلاحی تغیّر کے مشاہدے سے ہوئی ہے جو پہلے گوبر تک پُوجتے تھے، اور اس لئے اگلے مشرکوں سے بھی گھٹیا تھے (کیونکہ وہ تو خوبصورت مورتیوں اور چمکدار پتھروں ہی کو پوجا کرتے تھے) تو ایسے گرے ہوئے لوگوں کی خبر رسانی یا مشاہدہ سے کام کا صحیح اندازہ کیونکر ہو سکتا ہے، آپ جیسے حضرات اگر براہِ راست مجھ سے مل کر اس کام کو سمجھیں تو اصل قدر و قیمت معلوم ہو۔"

(۱۶۴)

فرمایا۔ "ہماری اس تحریک کا ایک خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے سارے جذبات پر دین کے جذبہ کو غالب کر کے اور اس راستے سے مقصد کی وحدت پیدا کر کے اور "اکرامِ مسلم" کے اصول کو رواج دے کے

پوری قوم کو اس حدیث کا مصداق بنایا جائے۔"

"اَلْمُسْلِمُوْنَ کَجَسَدٍ وَّاحِدٍ"

(۱۶۵)

فرمایا۔ "ہمارے اس کام میں اخلاص اور صدق دلی کے ساتھ اجتماعیت اور "شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" کی (یعنی مِل جُل کر اور باہمی مشورہ سے کام کرنیکی) بڑی ضرورت ہے اور اس کے بغیر بڑا خطرہ ہے۔"

(۱۶۶)

بعض خدّام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ——— "حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) حضرت ابو عبیدہ رضؓ اور حضرت معاذ رضؓ سے فرماتے تھے، کہ:

"میں تمھاری نگرانی سے مستغنی نہیں ہوں۔"

میں بھی آپ لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ میرے احوال پر نظر رکھیے، اور جو بات ٹوکنے کی ہو اس پر ٹوکیے۔"

(۱۶۷)

فرمایا۔ "حضرت فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کے عاملوں کے پاس سے جب کوئی قاصد آتے تو آپ اُن سے عاملوں کی خیریت پوچھتے اور ان کے حالات دریافت کرتے ——— لیکن اس کا مطلب دینی خیریت

اور دینی حال پوچھنا ہوتا تھا، نہ کہ آجکل کی مروّجہ مزاج پرسی ــــ چنانچہ ایک عامل کے پاس سے آنے والے قاصد سے جب آپ نے عامل کی خیریت پوچھی تو اس نے کہا:

"وہاں خیریت کہاں ہے، میں نے تو ان کے دسترخوان پر دو دو سالن جمع دیکھے"

گویا رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) جس طرزِ زندگی پر صحابۂ کرامؓ کو چھوڑ گئے تھے، بس اس پر قائم رہنا ہی ان حضرات کے نزدیک خیریت کا معیار تھا۔"

(۱۶۸)

فرمایا: "اللہ سے اس کا فضل اور رزق وغیرہ مانگنا تو فرض ہے اور اپنی عبادت و خدمت وغیرہ کا دنیا ہی میں معاوضہ چاہنا حرام ہے۔"

(۱۶۹)

فرمایا: "کسی مسلمان کو اس کی بے راہ روی کی وجہ سے قطعی طور سے کافر کہنا اور "خُلُودٌ فِی النَّارِ" والی تکفیر کرنا بڑا بھاری کام ہے ہاں "کُفْرٌ دُوْنَ کُفْرٍ" کا اصول صحیح ہے، تمام معاصی کفر ہی کے فروع اور اس کی اولاد ہیں، اور اسی طرح تمام معروفات ایمان کی آل اولاد ہیں، پس ہماری یہ تحریک درحقیقت تجدیدِ ایمان اور تکمیلِ ایمان کی تحریک ہے۔"

(۱۷۰)

فرمایا — "اِتَّخَذُوْا دِیْنَھُمْ لَعِبًا وَّ لَھْوًا"۔ دینی کاموں کو بے مقصد یا اطاعتِ امرِ الٰہی و رضاءِ خداوندی اور ثوابِ اُخروی کے سوا اور مقاصد کے لئے کرنا بھی دین کو لہو و لعب بنانا ہے۔"

(۱۷۱)

فرمایا — "ظُنُّوا الْمُؤْمِنِیْنَ خَیْرًا" اور "اِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ مِنَ الْعِبَادَۃِ" کا حکم اس حالت میں ہے کہ جب کسی سے کوئی معاملہ کرنا نہ ہو تو اسوقت صرف حسنِ ظن ہی سے کام لینا چاہیئے، اور جب معاملہ کرنا ہو تو اسوقت کے لئے "اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ" کا حکم ہے، محامل اور مواقع کا فرق نہ سمجھنے سے نصوص میں بڑی غلط فہمیاں ہوتی ہیں۔"

(۱۷۲)

فرمایا — "ہمارے سب کام کرنے والوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ تبلیغ کے لئے باہر جانے کے زمانے میں بالخصوص علم اور ذکر کی طرف بہت زیادہ توجہ کریں، علم اور ذکر میں ترقی کے بغیر دینی ترقی ممکن نہیں، نیز علم اور ذکر کی تحصیل و تکمیل اس راہ کے اپنے بڑوں سے وابستگی رکھتے ہوئے اور ان کے زیرِ ہدایت اور ان کی نگرانی میں ہو۔

انبیاء علیہم السلام کا علم و ذکر اللہ تعالیٰ کے زیرِ ہدایت اور اس کے حکم کے ماتحت ہوتا تھا، اور حضرات صحابۂ کرامؓ کا علم و ذکر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت کے ماتحت اور آپؐ کی نگرانی میں ہوتا تھا، پھر ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے اس قرن کے اہلِ علم اور اہلِ ذکر گویا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلفاء ہیں، لہٰذا علم و ذکر میں اپنے بڑوں کی نگرانی سے استغناء نہیں۔

یہ بھی ضروری ہے کہ خاص کر باہر نکلنے کے زمانہ میں صرف اپنے خاص مشاغل میں اشتغال رہے، اور دوسرے تمام مشاغل سے یکسو رہا جائے اور وہ خاص مشاغل یہ ہیں: تبلیغی گشت، علم، ذکر، دین کے لئے گھر چھوڑ کر نکلنے والے اپنے ساتھیوں کی خصوصاً اور عام خلق اللہ کی عموماً خدمت کی مشق، تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب کا اہتمام، اور اہتمامِ نفس کے ساتھ بار بار اس اخلاص و احتساب کی تجدید، یعنی اس کام کے لئے نکلتے وقت بھی یہ تصور کرنا اور اثناءِ سفر میں بھی بار بار اس تصور کو تازہ کرتے رہنا کہ ہمارا یہ نکلنا صرف اللہ کے لئے اور اُن نعمائے آخرت کی طمع میں ہے جن کا وعدہ دین کی نصرت و خدمت پر اور اس راہ کی تکلیفیں اٹھانے پر فرمایا گیا ہے، یعنی بار بار اس دھیان کو دل میں جمایا جائے، کہ اگر میرا یہ نکلنا خالصاً مخلصاً ہو گیا اور اللہ تعالیٰ

نے اس کو قبول فرمالیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے وہ نعمتیں ضرور ملیں گی جن کا وعدہ اس کام پر قرآن پاک اور احادیث میں فرمایا گیا ہے اور وہ یہ ہوں گی۔

بہرحال ان الٰہی وعدوں پہ یقین اور ان کی اُمید کے دھیان کو بار بار تازہ کیا جائے، اور اپنے سارے عمل کو اسی یقین اور اسی دھیان سے باندھا جائے، بس اسی کا نام "ایمان واحتساب" ہے، اور یہی ہمارے اعمال کی رُوح ہے"۔

(۱۷۳)

فرمایا۔ "ہائے" اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا، اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو، اور پھر اس یقین واعتماد ہی کی بنیاد پہ کام کرنے کی مشق کرو، اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود نہ گھڑو، تمہارا علم اور تجربہ بہت محدُود ہے، اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو، اور اس سے یونہی مانگو، کہ اپنی شان اور اپنی قدرت کے شایان ان وعدوں کو پورا فرما، اُخروی نعمتوں کی معنویت اور اصل حقیقت کا تم اس دنیا میں کیا اندازہ کر سکتے ہو اور کیونکر وہ اندازہ صحیح ہو سکتا ہے، جب کہ حدیث قدسی میں ان نعمتوں کی صفت ہی یہ بیان کی گئی ہے:

لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ۔

"یعنی جنت میں ایسی نعمتیں ہیں جو نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں اور نہ کسی کان نے انکا حال سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں کبھی انکا خیال آیا ہے۔"

افسوس! ہم نے اس کی موعود نعمتوں کو اپنے علم وفہم اور اس دنیا کے اپنے مشاہدہ اور تجربہ کے مطابق سمجھ کر اور اس کی امّید باندھ کے بڑا گھاٹا کرلیا، "لَقَدْ حَجَرْتُمْ وَاسِعًا" اس کی عطا اور اس کی داد و دہش تو اسکے شایانِ شان ہوگی۔"

۱۷۴

فرمایا— "تم نے "مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" کے مقتضاء سے جس قدر انحراف کیا، اسی قدر "خَلَقْنَا لَکُمْ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ" کا ظہور کم ہوگیا، یعنی جس نسبت سے تمھاری عبدیت میں کمی آئی، اُسی نسبت سے زمین و آسمان کی کائنات سے تمھارا تمتع (نفع حاصل کرنا) کم ہوگیا۔"

کائنات کو تمھارا خادم اسی لئے بنایا گیا تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو اور اس کی اطاعت و بندگی اور اس کی مرضیات کے فروغ میں لگے رہو، جب تم نے اپنا یہ فریضہ چھوڑ دیا تو زمین و آسمان بھی تم سے پھر گئے۔"

قسط نمبر ۱۱

۱۷۵

فرمایا۔ "جن مقامات کو حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے جانوں کی بازی لگا کے، بلکہ اس جانبازی کے شوق و عشق سے حاصل کرنا بتلایا تھا، اور صحابۂ کرام رضؓ نے دین کی راہ میں اپنے کو مٹا کے جو کچھ حاصل کیا تھا تم لوگ اس کو آرام سے لیٹے لیٹے کتابوں سے حاصل کر لینا چاہتے ہو۔"

۱۷۶

فرمایا۔ "جو انعامات اور ثمرات خون سے وابستہ تھے اُن کیلئے کم از کم پسینہ تو گرانا چاہیئے۔"

۱۷۷

فرمایا۔ "وہاں حال یہ تھا کہ حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ بھی دین کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کے باوجود اور حضور (صلّی اللہ علیہ وسلّم)

کی کھلی ہوئی اور یقینی بشارتوں کے باوجود اس دنیا سے روتے ہوئے گئے۔"

۱۷۸

فرمایا — "پسند کو مباشرت کے قائم مقام سمجھنا بڑا دھوکا ہے اور شیطان یہی کرتا ہے کہ آدمی کو پسند ہی پر قانع بنا دیتا ہے۔"

(اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی اچھے کام کو صرف اچھا سمجھ لینے سے اس کام میں شرکت نہیں ہوتی، بلکہ اس میں لگنے اور اس کو کرنے ہی سے اس کا حق ادا ہوتا ہے، لیکن بہت سے لوگوں کو شیطان یہ فریب دیتا ہے کہ وہ کام سے متفق ہو جانے کو کام میں لگ جانا اور شریک ہونا سمجھنے لگتے ہیں، یہ شیطان کا بڑا دھوکہ ہے)

۱۷۹

فرمایا — "ہماری یہ تحریک دشمن نواز دوست کُش ہے، آجائے جس کا جی چاہے۔"

۱۸۰

فرمایا "بھئی اس وقت کفر و الحاد بہت طاقتور ہے، ایسی حالت میں منتشر اور انفرادی اصلاحی کوششوں سے کام نہیں چل سکتا، لہٰذا پوری قوت کے ساتھ اجتماعی جدوجہد ہونی چاہئے" وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا ۔"

۱۸۱

فرمایا "علم وذکر کو مضبوطی سے تھامنے کی زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے، مگر علم وذکر کی حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

ذکر کی حقیقت ہے عدم غفلت، اور فرائض دینی کی ادائگی میں لگا رہنا اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے، اس لئے دین کی نصرت اور اس کے فروغ کی جدوجہد میں مشغول رہنا ذکر کا اونچا درجہ ہے، بشرطیکہ اللہ کے اوامر اور مواعید کا خیال رکھتے ہوئے ہو۔

اور ذکر نفلی اس واسطے ہے کہ آدمی کے جو اوقات فرائض میں مشغول نہ ہوں وہ لایعنی میں نہ گذریں، شیطان یہ چاہتا ہے کہ فرائض میں لگنے سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور جو ترقی حاصل ہوتی ہے وہ لایعنی میں لگا کے اس کو برباد کر دے، پس اس سے حفاظت کے لئے ذکر نفلی ہے۔

الغرض فرائض سے جو وقت فارغ ہو اس کو ذکر نفلی سے معمور رکھا جائے، تاکہ شیطان لایعنی میں مشغول کر کے ہمیں نقصان نہ پہنچا سکے۔"

(نیز ذکر نفلی کا ایک خاص اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے عام دینی کاموں میں ذکر کی شان پیدا ہوتی ہے اور اللہ کے اوامر کی تعمیل میں اور اس کے مواعید کے شوق میں کام کرنے کا ملکہ پیدا ہوتا ہے)۔

اسی سلسلہ میں فرمایا ___ فرائض میں لگنا حتیٰ کہ نماز پڑھنا بھی اگر

اللہ کے اوامر اور مواعید کے دہیان کے ساتھ نہ ہو تو اصلی ذکر نہیں، بلکہ صرف جوارح کا ذکر ہے، اور قلب کی غفلت ہے، اور حدیث میں قلب ہی کے متعلق ہے

کہ اِذَا صَلُحَ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ۔	کہ انسان کے وجود میں یہی وہ مرکز ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو تو پھر سب ٹھیک ہے اور اگر وہ خراب ہو تو پھر سب خراب ہے۔

تو اصلی چیز ہے بس اللہ کے اوامر اور اس کے مواعید کے دھیان کے ساتھ اللہ کے کاموں میں لگا رہنا، یہی ہمارے نزدیک ذکر کا حاصل ہے۔

اور علم سے مراد دینی مسائل اور دینی علوم کا صرف جاننا نہیں ہے۔ دیکھو یہود اپنی شریعت اور اپنے آسمانی علوم کے کیسے عالم تھے، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نائبوں تک کے حلئے[1] اور نقشے حتی کہ ان کے جسموں کے تل کے متعلق بھی اُن کو علم تھا، لیکن کیا ان باتوں کے صرف جاننے نے ان کو کوئی فائدہ دیا؟

---

[1] بعض روایات میں ہے کہ بعض علماءِ یہود نے حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے جسم کے کسی خاص حصے پر تل یا اِس کے قسم کا کوئی نشان دیکھ کر ان کے متعلق بتلا دیا تھا کہ یہ شخص نبی آخر الزماں کا خلیفہ ہے اور بیت المقدس اس کے دَور میں فتح ہوگا، اس قسم کی متعدد روایات "ازالۃ الخفاء" میں حضرت شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے نقل فرمائی ہیں۔ م

(۱۸۲)

اسی سلسلہ میں فرمایا ـــــ "علم کے لئے جو وضع محمدی تھی (یعنی طلب اور عظمت و محبّت کیساتھ صحبت و اختلاط سے علم حاصل کرنا، اور زندگی سے زندگی سیکھنا) اس کی خصوصیّت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ جتنا علم بڑھتا تھا اسی قدر اپنے جہل اور اپنی علمی درماندگی کا احساس ترقی کرتا تھا ـــــ اور علم حاصل کرنے کا جو طریقہ اب رائج ہو گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم جتنا آتا ہے زعم اس سے زیادہ پیدا ہوتا ہے، پھر زعم سے کبر پیدا ہوتا ہے، اور کبر جنّت میں نہیں جائے گا ـــــ علاوہ ازیں علم کے زعم کے بعد تحصیلِ علم کی تڑپ نہیں رہتی جس کی وجہ سے علمی ترقی ختم ہو جاتی ہے۔"

(۱۸۳)

ایک صاحب جو ایک تبلیغی جماعت میں جانے کے لئے اپنے کو پیش کر چکے تھے انھوں نے حضرتؒ کی خدمت میں سو روپے بھی پیش کئے حضرتؒ نے ان کو قبول فرما لیا، اور فرمایا:-

"میرا جی چاہتا ہے کہ جو لوگ دین کے لئے جسم و جان کا حصّہ نہیں دیتے میں اُن کا مال نہ لینے کی قسم کھالوں۔"

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا۔ "انفاقِ مال جو عبادت ہے تو یہ مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ اسکی مشروعیت اس واسطے ہے کہ مال سے دل بستگی نہ پیدا ہو۔"

۱۸۴

فرمایا۔ "عہدِ فاروقی میں امّ المؤمنین حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کے یہاں جب مالِ غنیمت میں سے ان کا حصّہ پہنچا (جو غالباً مقدار میں زیادہ ہوگا، اور اس سے اُن کو دل بستگی کا اندیشہ ہوا ہوگا) تو بیکل ہو کر دعاء فرمائی۔ کہ اے اللہ اس گھر میں یہ پھر نہ آئے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔" (یعنی ان کی وفات ہو گئی)۔

۱۸۵

فرمایا۔ "ایمان یہ ہے کہ اللہ و رسولؐ کو جس چیز سے خوشی اور راحت ہو بندہ کو بھی اس سے خوشی اور راحت ہو، اور جس چیز سے اللہ و رسولؐ کو ناگواری اور تکلیف ہو بندہ کو بھی اس سے ناگواری اور تکلیف ہو، اور تکلیف جس طرح تلوار سے ہوتی ہے اسی طرح سوئی سے بھی ہوتی ہے پس اللہ و رسولؐ کو ناگواری اور تکلیف کفر و شرک سے بھی ہوتی ہے اور معاصی سے بھی، لہٰذا ہم کو بھی معاصی سے ناگواری اور تکلیف ہونی چاہئے۔"

۱۸۶

ایک روز یہ عاجز (مرتّب ملفوظات) ایسے وقت حضرتؒ کے حجرے میں پہنچا کہ بعض میواتی خدّام حضرتؒ کو نماز ظہر کے لئے وضو کرا رہے تھے، (مرض الوفات کے آخری ایام میں شدّتِ ضعف کیوجہ سے حضرتؒ کو لیٹے لیٹے

وضو کرایا جاتا تھا) میرے پہونچنے پر حضرتؒ نے ارشاد فرمایا:-

"حضرت عبد اللہ بن عباسؓ باوجودیکہ علم دین میں ان کا درجہ یہ تھا کہ حضرت فاروق اعظم (رضی اللہ عنہ) اُن کو اکابر صحابہؓ کے ساتھ بٹھاتے تھے اور باوجودیکہ انھوں نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وضو کرتے دیکھا تھا اور اس کے بعد مدتوں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کا وضو بھی دیکھا ہوگا، پھر بھی حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کو وضو کراتے تھے، اور اس سے ان کا مقصد تعلّم بھی ہوتا تھا۔"

(۱۸۷)

جو میواتی خدام حضرتؒ کو اس وقت وضو کرا رہے تھے اُن کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے پھر اس عاجز سے ارشاد فرمایا:

"میں ابھی ان لوگوں سے یہ کہہ رہا تھا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے، لہٰذا تم مجھے وضو کراتے وقت بیمار کی خدمت کی نیّت کے علاوہ یہ نیّت بھی کیا کرو کہ اے اللہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ تیرے اس بندے کی نماز ہم سے اچھی ہوتی ہے تو ہم اس لئے اس کو وضو کراتے ہیں کہ اسکی نماز کے ثواب میں ہمارا حصہ ہو جائے۔"

پھر فرمایا: "یہ میں ان لوگوں کو بتلاتا ہوں، لیکن میں خود اگر یہ سمجھنے لگوں کہ میری نماز ان لوگوں سے اچھی ہوتی ہے تو مردود ہو جاؤں گا، اس لئے

میں اپنے اللہ سے یوں دعا کرتا ہوں کہ اے اللہ تیرے یہ سادہ دل بندے میرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ میری نماز اچھی ہوتی ہے، اور اسی لئے یہ بیچارے مجھے وضو کراتے ہیں، تو محض اپنے کرم سے ان کے گمان کی لاج رکھ لے اور میری نماز کو قبول فرما لے، اور اس کے ثواب میں اپنے ان بندوں کو بھی حصّہ دے۔"

پھر وضو کرانے والے اُن میواتیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

"تم لوگ اُن علماء کی خدمتیں کرو جو ابھی تک تمھاری قوم کو دین سکھانے کی طرف متوجّہ نہیں ہوئے ہیں، میرا کیا ہے، میں تو تمھارے ملک میں جاتا ہی ہوں، تم نہ بلاؤ جب بھی جاؤں گا، جو علماء ابھی تمھاری طرف متوجّہ نہیں ہیں، انکی خدمتیں کرو گے تو وہ بھی تمھاری قوم کی دینی خدمت کرنے لگیں گے۔"

(۱۸۸)

فرمایا۔ شیخ کی خدمت اس لئے اور اس نیّت اور ارادہ سے کرنی چاہئے کہ اس کے ذریعہ عادت اور مشق ہو جائے اللہ کے بندوں کی خدمت کی۔"

پھر فرمایا ـــ "نیت کے ساتھ عباد مومنین کی خدمت ہیڑھی ہے عبدیت کی۔"

۱۸۹

مشورہ کی تاکید کرتے ہوئے ایک دفعہ ارشاد فرمایا — "مشورہ بڑی چیز ہے، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جب تم مشورہ کے لئے اللہ پر اعتماد کر کے جم کے بیٹھو گے تو اُٹھنے سے پہلے تم کو رُشد کی توفیق مل جائے گی"۔

پھر فرمایا — "یہ مضمون کسی حدیث میں آیا ہے اس وقت اصل حدیث مجھے یاد نہیں"۔

۱۹۰

فرمایا — "حضرت فاروق اعظمؓ اور اسی طرح دوسرے صحابۂ کرامؓ کی آمدنیاں بہت تھیں، اور اپنے اوپر خرچ کرنے میں بھی وہ بڑے حزرس واقع ہوئے تھے، ان کا کھانا پہننا بہت ہی معمولی تھا، اور نہایت سادہ بلکہ فقیرانہ زندگی گذارتے تھے، اس کے باوجود ان میں سے بہت سے دُنیا سے مقروض گئے، کیونکہ وہ اپنی ساری آمدنی دین کی راہ میں خرچ کر دیتے تھے، دراصل مؤمن کا رویہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ کے کام آئے"۔

۱۹۱

حجرے میں بچھے ہوئے ایک پلنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس عاجز (مرتب) سے فرمایا:

"یہ پلنگ میری والدہ کے دادا کا ہے، اور برابر استعمال میں رہتا ہے"۔

(بعد میں حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ قریباً اسّی برس اس پر گزر چکے ہیں)۔

پھر فرمایا — "برکت یہی ہے کہ کوئی چیز عادۃً جس وقت اور جس حالت میں ختم ہو جانی چاہیئے وہ اس میں ختم نہ ہو اور باقی رہے"۔

فرمایا — "حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعاء سے بعض اوقات کھانے وغیرہ میں برکت کے جو واقعات ہوئے ہیں اُن کی نوعیت یہی تھی کہ اصلی چیز ختم نہیں ہوتی تھی"۔

۱۹۲

فرمایا — "کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ" کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ اور جیسے جیسے عظیم الشان اور محیّر العقول کام اللہ پاک پہلے کر چکے ہیں اُن سے ہزاراں ہزار درجہ بڑے کام وہ ہر آن کر سکتے ہیں، اور ان کی قدرتِ کاملہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہے"۔

۱۹۳

بمبئی کے مشہور اُردو روزنامہ "الہلال" کے مالک و ایڈیٹر حافظ علی بہادر خاں، بی۔ اے حضرتؒ کے مرض الوفات ہی میں ایک دِن حضرتؒ کی زیارت کے لئے تشریف لائے، حضرتؒ نے انتہائی ضعف و ناتوانی کے باوجود قریباً آدھ گھنٹہ ان سے گفتگو فرمائی،

وہ اس گفتگو سے بہت ہی متاثر ہوئے، اور بمبئی پہنچ کر انھوں نے "الہلال" کی چند اشاعتوں میں حضرتؒ کی شخصیت اور دینی دعوت کے متعلق اپنے تاثرات لکھے، اور حضرتؒ کی دعوتِ اصلاح و تبلیغ کی عظمت و اہمیت اور اس کی سنجیدگی کا اعتراف اس طرح کیا جس کی توقع آجکل کے کسی ایڈیٹر اور لیڈر سے نہیں کی جاسکتی ——

"الہلال" کے وہ پرچے مجھے ایک جگہ سے مل گئے، حافظ صاحب کے وہ مضامین پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی، اور میں نے ارادہ کیا کہ میں حضرت کو بھی سناؤں گا، چنانچہ وہ پرچے ہاتھ میں لئے کسی مناسب وقت میں اس امید کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوا کہ حضرتؒ ہاتھ میں پرچے دیکھ کر خود ہی دریافت فرمائیں گے کہ ہاتھ میں کیا ہے؟ تو مجھے کچھ عرض کرنے کا اور ان مضامین کے سنانے کا موقع مل جائے گا —— لیکن میری توقع اور آرزو کے خلاف حضرتؒ نے کچھ پوچھا ہی نہیں، دیر تک انتظار کے بعد مجھ سے نہ رہا گیا، اور میں نے خود ہی عرض کیا کہ حضرت! فلاں دن بمبئی کے حافظ علی بہادر خاں صاحب جو تشریف لائے تھے وہ الحمد للہ بہت ہی متاثر ہو کر گئے، اور انھوں نے اپنے اخبار میں ہمارے کام کے متعلق چند مضامین لکھے ہیں، جن میں کام کی عظمت اور اہمیت کا انھوں نے بہت اعتراف کیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ

خوب سمجھا ہے، اگر ارشاد ہو تو ان میں سے ایک آدھ مضمون سُنا دُوں۔"

فرمایا — مولوی صاحب! جو کام ہو چکا اس کا کیا ذکر کرنا ہے، بس یہ دیکھو کہ جو کچھ ہم کو کرنا تھا اس میں سے کیا رہ گیا، اور جو کچھ کیا جا چکا اس میں کتنی اور کیسی کیسی کوتاہیاں ہوئیں، اخلاص میں کتنی کمی رہی، اللہ تعالےٰ کے امر کی عظمت کے دھیان میں کتنا قصور رہا، آدابِ عمل کے تفقّد میں اور اسوۂ نبوی کے اتباع کی کوشش میں کتنا نقصان رہا؟ مولوی صاحب! ان امور کے بغیر پچھلے کام کا ذکر مذاکرہ اور اس پُر خوش ہونا لبس ایسا ہے جیسے راستہ چلنے والا مسافر کھڑا ہو کر پیچھے کی جانب دیکھنے لگے، اور خوش ہونے لگے،

پچھلے کام کی صرف کوتاہیاں تلاش کرو اور ان کی تلافی کی فکر کرو، اور آئندہ کے لئے سوچو کہ کیا کرنا ہے؟

یہ مت دیکھو کہ ایک شخص نے ہماری بات سمجھ لی اور اعتراف کر لیا، بلکہ اس پر غور کرو کہ ایسے کتنے لاکھ اور کتنے کروڑ باقی ہیں جن کو ہم ابھی اللہ کی بات پہنچا بھی نہیں سکے ہیں، اور کتنے ہیں جو واقفیت اور اعتراف کے بعد بھی ہماری کوششوں کی کمی کی وجہ سے عمل پر نہیں پڑے ہیں۔"

(۱۹۴)

فرمایا — "نماز کو حدیث میں "عِمَادُ الدِّیْن" (دین کا ستون) فرمایا

گیا ہے، اس کا یہ مطلب ہے کہ نماز پر باقی دین معلّق ہے، اور وہ نماز ہی سے ملتا ہے نماز میں دین کا تفقّہ بھی ملتا ہے، اور توفیقِ عمل بھی عطا ہوتی ہے۔ پھر جیسی کسی کی نماز ہوگی ویسی ہی اس کے حق میں یہ عطا بھی ہوگی، اس لئے نماز کی دعوت دینا اور لوگوں کی نمازوں میں خشوع خضوع پیدا کرنے کی کوشش کرنا بالواسطہ پورے دین کے لئے سعی کرنا ہے۔"

۱۹۵

فرمایا — "جو کام عوام مخلصین سے لیا جا سکتا ہو اور اس سے ان مخلصین کے درجہ اور اجر میں ترقی کی توقع ہو وہ ان سے نہ لینا اور اس کو خود کرنا، ان مخلصوں کے ساتھ ہمدردی نہیں ہے، بلکہ ان پر ایک طرح کا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ کے نہایت کریمانہ قانون "اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ" کی ناقدری ہے۔"

فرمایا — "بھئی! دین پر عمل بڑے تفقّہ کو چاہتا ہے۔"

۱۹۶

فرمایا — یہ نہایت اہم اصول ہے کہ ہر طبقہ کو دعوت اسی چیز کی دی جائے جس کا حق ہونا اور ضروری ہونا وہ خود بھی مانتا ہو، اور عمل میں کوتاہی کو اپنی کوتاہی سمجھتا ہو، جب وہ طبقہ ان چیزوں پر عمل کرنے لگے گا تو اگلی چیزوں کا احساس انشاء اللہ اس میں خود بخود پیدا ہوگا، اور ان کی

ادائگی کی استعداد بھی پیدا ہو گی "۔

(۱۹۷)

فرمایا — "جو جتنے زیادہ اہلِ حق ہیں ان میں اتنے ہی زیادہ کام اور کوشش کی ضرورت ہے، اُن کا دین کے واسطے اُٹھنا بہت ضروری ہے، کیونکہ وہی اصل اور جیٹر ہو سکتے ہیں "۔

(۱۹۸)

فرمایا — "افسوس! جو لوگ دین کے لئے کچھ بھی نہیں کر رہے ہیں اور دین کے معاملہ میں بالکل ہی غافل اور پسماندہ ہیں ہم اُن کو دیکھ دیکھ کے اپنی ذرا سی سعی و حرکت پر قانع اور مطمئن ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم اپنا حق ادا کر رہے ہیں، حالانکہ چاہئے یہ کہ اللہ کے جن بندوں نے دین کے لئے اپنے کو بالکل مٹایا تھا ہم ان کے نمونوں کو نظر کے سامنے رکھ کے ہمیشہ اپنے کو مقصر سمجھتے رہیں اور جتنا کر رہے ہیں اس سے زیادہ کرنے کے لئے ہر وقت حریص اور مضطرب رہیں، حضرت عمرؓ کو ہمیشہ اسکی حرص رہتی تھی کہ کسی طرح دین کی خدمت میں وہ ابوبکرؓ کا مقام پالیں "۔

(۱۹۹)

فرمایا — "تبلیغ کے آداب میں سے یہ ہے کہ بات بہت لمبی نہ ہو، اور شروع میں لوگوں سے صرف اتنے عمل کا مطالبہ کیا جائے جس کو

وہ بہت مشکل اور بڑا بوجھ نہ سمجھیں، کبھی کبھی لمبی بات اور لمبا مطالبہ لوگوں کے اعراض کا باعث بن جاتا ہے۔"

(۲۰۰)

فرمایا—— "بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بس پہنچا دینے کا نام تبلیغ ہے، یہ بڑی غلط فہمی ہے، تبلیغ یہ ہے کہ اپنی صلاحیت اور استعداد کی حد تک لوگوں کو دین کی بات اس طرح پہنچائی جائے جس طرح پہنچانے سے لوگوں کے ماننے کی امید ہو، انبیاء علیہم السلام یہی تبلیغ لائے ہیں۔"

(۲۰۱)

فرمایا—— "فضائل کا درجہ مسائل سے پہلے ہے، فضائل سے اعمال کے اجر پر یقین ہوتا ہے، جو ایمان کا مقام ہے، اور اسی سے آدمی عمل کے لئے آمادہ ہوتا ہے، مسائل معلوم کرنے کی ضرورت کا احساس تو تب ہی ہو گا جب وہ عمل پر تیار ہو گا، اس لئے ہمارے نزدیک فضائل کی اہمیت زیادہ ہے۔"

(۲۰۲)

فرمایا—— تبلیغی جماعتوں کے نصاب تعلیم کا ایک اہم جز تجوید بھی ہے، "قرآن شریف اچھی طرح پڑھنا بڑی چیز ہے۔" ماأذِنَ اللهُ

لِشَیٔ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْاٰنِ"۔ تجوید دراصل وہی تغنی بالقرآن ہے، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے منقول ہو کر ہم تک پہنچی ہے۔

لیکن تجوید کی تعلیم کے لئے جتنا وقت درکار ہے جماعت میں اتنا وقت نہیں مل سکتا، اس لئے ان ایام میں تو صرف اس کی کوشش کی جائے کہ لوگوں کو اس کی ضرورت کا احساس ہو جائے اور کچھ مناسبت ہو جائے اور پھر اُس کو سیکھنے کے لئے وہ مستقل وقت صرف کرنے پر آمادہ ہو جائیں"۔

(۲۰۳)

فرمایا — دوسروں کو دین کی دعوت اور ترغیب دینا بڑی عبادت ہے، کیونکہ عام لوگ اس کو عبادت نہیں سمجھتے، اور اس میں اعلیٰ درجہ کا تعدیہ بھی ہے جو جہری عبادتوں میں خیر کا خاص پہلو ہوتا ہے"۔

(۲۰۴)

فرمایا — بزرگوں کی خدمت کا مقصد دراصل یہ ہوتا ہے کہ انکے جو عمومی اور معمولی کام دوسرے لوگ انجام دے سکتے ہوں وہ ان کو اپنے ذمہ لے لیں، تاکہ ان کے اوقات اور ان کی قوتیں ان بڑے کاموں کیلئے فارغ رہیں جو وہی اکابر انجام دے سکتے ہیں، مثلاً کسی شیخ وقت یا کسی عالم و مفتی کے وہ عمومی کام آپ اپنے ذمہ لے لیں جو آپ کے بس کے ہیں اور ان کو ان کی طرف سے فارغ اور بے فکر کر دیں، تو وہ حضرات دین

کے جو بڑے بڑے کام کرتے ہیں (مثلاً اصلاح و ارشاد اور درس و افتاء وغیرہ) تو وہ زیادہ اطمینان اور یکسوئی سے ان کو انجام دے سکیں گے، اور اس طرح یہ خدام اُن کے ان بڑے کاموں کے اجر میں حصّہ دار ہو جائینگے، تو در اصل بڑوں کی خدمت اُن کے بڑے کاموں میں شریک ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔"

(۲۰۵)

فرمایا — "حقیقی محبّت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ محب اور محبوب کے جذبات اور خواہشات تک میں کامل اتحاد ہو جاتا ہے، میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ حال تھا کہ باوجودیکہ وہ خانقاہ سے دُور رہتے تھے لیکن بارہا ایسا ہوتا کہ اچانک ان کے دل میں خانقاہ جانے کا تقاضا پیدا ہوتا اور وہ فوراً چل دیتے، اور جب دروازہ کھولتے تو حضرت گنگوہی (قدس سرہٗ) کو انتظار میں بیٹھا پاتے۔"

فرمایا کہ — "اللہ تعالیٰ سے جب کسی بندہ کو سچّی محبّت ہو جاتی ہے تو پھر یہی معاملہ اللہ پاک کے ساتھ ہو جاتا ہے کہ اس کی مرضیات بندہ کی مرضیات ہو جاتی ہیں، اور جو باتیں اللہ کو ناپسند ہوتی ہیں بندہ کو بھی ان سے نفرت ہو جاتی ہے، اور اس محبّت کے پیدا کرنے کا طریقہ ہے اسوۂ محمدی کا اتباع (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ)۔"

(٢٠٦)

جو لوگ دیندار اور دین داں ہونے کے باوجود دین کے فروغ کے لئے اور امّت کی اصلاح کے لئے وہ جدوجہد نہیں کر رہے جو رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلم) کی نیابت کا تقاضہ ہے، اُنکے بارے میں ایک روز حضرتؒ کی زبان سے نکل گیا کہ "مجھے ان لوگوں پر بڑا رحم آتا ہے" —— اس کے بعد دیر تک اور مسلسل استغفار فرماتے رہے —— پھر اس عاجز سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا —— "میں نے یہ استغفار اس پر کیا ہے کہ میری زبان سے یہ دعوے کا کلمہ نکل گیا تھا کہ "مجھے ان لوگوں پر رحم آتا ہے"۔"

(٢٠٧)

فرمایا —— "مسجدیں مسجد نبویؐ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے ان میں وہ سب کام ہونے چاہئیں جو حضورؐ کی مسجد میں ہوتے تھے، حضورؐ کی مسجد میں نماز کے علاوہ تعلیم و تربیت کا کام بھی ہوتا تھا، اور دین کی دعوت کے سلسلہ کے سب کام بھی مسجد ہی سے ہوتے تھے، دین کی تبلیغ یا تعلیم کے لئے وفود کی روانگی بھی مسجد ہی سے ہوتی تھی، یہاں تک کہ عساکر کا نظم بھی مسجد ہی سے ہوتا تھا، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری مسجدوں میں بھی اسی طریقہ پر یہ سب کام ہونے لگیں"۔

*

(۲۰۸)

فرمایا — "صحیح طریق کار یہ ہے کہ جو کام نازل درجہ کے لوگوں سے لیا جا سکتا ہو وہ انہی سے لیا جائے، ان سے مافوق کے لوگوں کا اس میں لگنا جب کہ نازل درجہ کے کام کرنے والے بھی نصیب ہوں بڑی غلطی ہے، بلکہ ایک طرح کا کفرانِ نعمت اور نیچے درجہ والوں پر ظلم ہے۔"

(۲۰۹)

فرمایا — "دین کی دعوت کا اہتمام میرے نزدیک اس وقت اتنا ضروری ہے کہ اگر ایک شخص نماز میں مشغول ہو اور ایک نیا آدمی آئے اور واپس جانے لگے، اور پھر اس کے ہاتھ آنے کی توقع نہ ہو، تو میرے نزدیک نماز کو درمیان میں توڑ کے اس سے دینی بات کر لینی چاہئے، اور اس سے بات کر کے یا اسکو روک کے اپنی نماز پھر سے پڑھنی چاہئے۔"

(۲۱۰)

اسی سلسلہ میں فرمایا — "میری حیثیت ایک عام مومن سے اونچی نہ سمجھی جائے، صرف میرے کہنے پر عمل کرنا بد دینی ہے، میں جو کچھ کہوں اس کو کتاب و سنّت پر پیش کر کے اور خود غور و فکر

کر کے اپنی ذمہ داری پر عمل کرو، میں تو بس مشورہ دیتا ہوں"۔

فرمایا — "حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے کہ:

"تم نے میرے سر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے
تم سب میرے اعمال کی نگرانی کیا کرو"۔

میری بھی اپنے دوستوں سے بڑے اصرار اور الحاح سے یہ درخواست ہے کہ وہ میری نگرانی کریں، جہاں غلطی کروں وہاں ٹوکیں، اور میرے رشد اور سداد کے لئے دعائیں بھی کریں"۔

(۲۱۱)

فرمایا — "کسی کام میں اشتغال اس کے علاوہ بہت سی چیزوں سے اعراض کو مستلزم ہوتا ہے، یعنی جب اشتغال فی شئی ہوگا تو اشتغال عن اشیاء ضرور ہوگا، اور پھر جس درجہ کا اشتغال فی شئی ہوگا دوسری چیزوں کے اہتمام میں اسی درجہ کی کمی بھی ہوگی، شریعت میں جو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر اچھے سے اچھے کام کے ختم پر بھی استغفار کیا جائے، میرے نزدیک اس میں ایک راز یہ بھی ہے کہ شاید اس اچھے کام میں مشغولی اور انہماک کی وجہ سے کسی دوسرے امر کی تعمیل میں کوتاہی ہو گئی ہو، خاص کر جب کسی کام کی لگن دل میں

لگ جاتی ہے، اور آدمی کے دل و دماغ پر وہ کام چھا جاتا ہے تو پھر اس کے ماسوا دوسرے کاموں میں بسا اوقات تقصیر ہو جاتی ہے، اس لئے ہمارے اس کام میں لگنے والوں کو خصوصاً کام کے زمانہ میں اور کام کے خاتمہ پر استغفار کی کثرت اپنے اوپر لازم کر لینی چاہئے۔"

(۲۱۲)

فرمایا ــــ "علماء سے کہنا ہے کہ ان تبلیغی جماعتوں کی چلت پھرت اور محنت و کوشش سے عوام میں دین کی صرف طلب اور قدر ہی پیدا کی جا سکتی ہے، اور ان کو دین سیکھنے پر آمادہ ہی کیا جا سکتا ہے، آگے دین کی تعلیم و تربیت کا کام علماء اور صلحاء کی توجہ فرمائی ہی سے ہو سکتا ہے، اس لئے آپ حضرات کی توجہات کی بڑی ضرورت ہے۔"

(۲۱۳)

کسی سلسلہ سے عہد حاضر کے ایک مشہور صاحب علم اور صاحب قلم، خادم دین کا ذکر آ گیا، جن کی بعض عملی کمزوریوں کی بناء پر خاص دیندار حلقوں کو اُن پر اعتراض ہے، تو فرمایا، کہ:

"میں تو ان کا قدردان ہوں، اگر ان میں کوئی کمزوری ہو تو میں اس کا علم بھی حاصل کرنا نہیں چاہتا، یہ معاملہ

اللہ کا ہے، شاید اُن کے پاس اس کا کوئی عذر ہو۔ ہم کو تو عام حکم یہ ہے کہ دعائیں کرو۔ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔"

(۲۱۴)

پنجاب کے ایک بڑے مشہور عالم اور بزرگ (جن سے اس عاجز مرتب ملفوظات کو بھی شرفِ نیاز حاصل ہے) دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، یہ عاجز ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت مولاناؒ کی دینی دعوت کا اور اس کے اصول اور طریقِ کار کا کچھ تفصیل سے تذکرہ کیا، اور اپنے قدیم نیازمندانہ تعلقات کی بنا پر اُن کو ترغیب دی اور استدعا کی کہ وہ اس دینی دعوت کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کے لئے کچھ وقت اس کام کے مرکز نظام الدین میں گذاریں ——

دعوت کے اصول اور طریقۂ کار اور کام کی رفتار کے متعلق میری گُذارش سننے کے بعد انھوں نے بڑے تأثر کا اظہار کیا، اور فرمایا کہ اس وقت تو میں طویل قیام نہیں کر سکتا، صرف ۳، ۴ دن کے لئے آیا ہوں، اور حضرت مولانا بھی بیمار ہیں، لہٰذا اس وقت تو میں صرف زیارت کے لئے

حاضر ہوں گا، لیکن میں نے نیّت کر لی ہے کہ جب مولانا کو صحت ہو جائے گی اور وہ کوئی اہم تبلیغی دورہ فرمائیں گے تو میں انشاءاللہ اس میں ساتھ رہ کر دیکھوں گا ــــ یہ عاجز جب دہلی شہر سے بستی نظام الدین واپس آیا اور حضرتؒ کو یہ پوری گفتگو سنائی تو ارشاد فرمایا:

"شیطان کا یہ بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے کہ وہ مستقبل میں بڑے کام کی امید بندھا کر اُس چھوٹے خیر سے روک دیتا ہے جو فی الحال ممکن ہوتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ بندہ اس وقت جو خیر کر سکتا ہے کسی حیلہ سے اُسکو اس سے ہٹا دے، اور اس داؤ میں وہ اکثر کامیاب ہو جاتا ہے، پھر مستقبل میں آدمی جس بڑے کام کی امید باندھتا ہے بسا اوقات اس کا وقت ہی نہیں آتا، بڑے کاموں کی امیدیں اکثر ضائع ہی ہوتی ہیں، اور اس کے برخلاف جو خیر فی الحال ممکن ہو اگرچہ وہ چھوٹے سے چھوٹا ہی ہو اس میں لگنا اکثر بڑے کام تک پہنچنے کا سبب اور ذریعہ بن جاتا ہے، اس لئے عقلمندی یہ ہے کہ جو خیر جس وقت جتنا میسّر ہو سکے اس پر تو اسی وقت عمل کر لیا جائے اور فرصت سے فوری فائدہ اٹھا لیا جائے ــــ

ــــ ان صاحب کو چاہیئے کہ وہ پھر پر نہ رکھیں، اس وقت جتنا ممکن ہو وقت دیدیں، اور میری بیماری کا بالکل خیال نہ کریں، کسی کو کیا خبر

اس بیماری میں صحت سے بدرجہا زیادہ کام ہو رہا ہے، یہاں آنے کا یہی خاص وقت ہے۔"

اللہ کا کرنا ایسا ہی ہوا کہ وہ بزرگ اُس وقت قیام نہ فرما سکے، اور مستقبل کے متعلق انھوں نے جو ارادہ کیا تھا وہ بھی پورا نہ ہوا، اور چند ہی روز بعد حضرت مولاناؒ کا وصال ہو گیا —— (رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصّالحین)

کتب فضائل پر
اشکالات
اور انکے جوابات

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زاد مجدہ کی
شہرۂ آفاق تصنیفات

فضائل قرآن، فضائل رمضان، فضائل تبلیغ، حکایات صحابہؓ
فضائل نماز، فضائل ذکر، فضائل حج، فضائل صدقات، فضائل درود
پر کیے جانیوالے اشکالات کا محاسبہ اور انکے خالص علمی و تحقیقی جوابات

از قلم
حضرت اقدس شیخ الحدیثؒ
مولانا محمد زکریا صاحب زاد مجدہ

مقدمہ و ترتیب: محمد شاہد سہارنپوری مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

مکتبہ زکریا
شہزادی بلڈنگ متصل جامع مسجد عالمگیر مارکیٹ، لاہور